

لکھد و وکیل اسکی تاریخ از سرالنس

شیرین مقال عرفان گنجینه حقیقت
۶۱۸۹۶

قطعه تاریخ از نتیجہ افکارید اسناد علی مختار عدالت کلکتری مٹہرا

مختص بہ شوارہ مٹہرا

آئینہ حقیقت مبلوع شد چہ دلکش
تاریخ سال طبعش ای شور چون مستقیم

تازہ گلے شکفتہ در گلشن طریقت
آمدند از گردون نیک اختر حقیقت
۶۱۸۹۹

دیگر

طبع آئینہ حقیقت گشت
چون دل عارفان ز انوارش
دل آگاہ وقت فکر سخن

طالع شد آفتاب عرفانی
گشت پر نور بزم امکانی
گفت سالش چہ انخ ایمانی

التماس می

فاظمین باکلیں کی خدمت میں دست بخت التماس ہے کہ کتاب مرۃ الوحیدت جکایہ
آئینہ حقیقت ترجمہ ہے ایک ویش سے دیاب ہوئی۔ چونکہ علمی تہی اور کتاب یا
در ویش مدوح اوسکو مثل توذیر وقت پیش نظر رکھتی بہ ہزار منت و سماحت شانہ
روز کے مطالعہ کے لئے عنایت ہوئی کہ اوسی وقت میں قلم برداشتہ نقل کراہی گئی
نہایت قلیل وقت میں اس زحامت کی کتاب کا نقل کرنا بھی ایک کار اہم تھا

ہے اور نام ہی اوسکا اسم مسمیٰ ہے یعنی صاحبِ مہرِ مہرِ صاحبِ اُمیہ حقیقت
نام رکھا ہے یہ اوسی ذات واحد کی قدرت کا مہر ہے جسکو مملہ مخلوق نے
ایسا معبود مانا ہے لغول مولانا سے لٹامی گنجوی

بیت

گہرا رہی لیلِ رستِ حائِثہ | کسی آشامی رہ چھا رہ
اللہ اللہ کیا تحقیق اور نیکوئی کیسے فکر اور حسرت و جو ہے کہ ہر مویں کو
ہر وقت حق و باطل کی گفتگو ہے پہر کیوں نہ ایسی لوگوں کا اسام بخیر ہوا
کیوں نہ اون پر رول رحمت رب قدیر ہو کہ نام پاک اوسکار العالمین
ہے اور یہ دو ہا کسی نے خوب لکھا ہے۔

دو ہا

ذاتِ پانت پوچھی نہیں کوئی | ہر کو بھی سو ہر کا ہو سے
احقر العباد اصغر الابرار عاصی محمد لفظ اللہ جالیسے کہ حدیث میں صاحب
خواص محمد یوسف علیہما السلام صاحبِ متوطن راہپور وارد وقت کچھ ہی
جنگی تہہ پہر اک مرد درویش با قناعت میں تہہ رکھتا تھا حسبِ وراثت
صاحب شاہ صاحب موصوف جید سطر لہر لقی فقر لیلہ تحریر کر کے یا ابد
سودا کی گئیں کہ یادگار رہے۔

تاریخ ازینچہ انکار بالوجہ ہٹے | لعلِ صا وکیل عدالت کلکری تہہ امتحان وکیل

تاد کر کتاب ہی یہ عمدہ ہی ہے صحیفہ | ہے دفتر معانی اُمیہ حقیقت

دیگر

مجھو بخود کے وصالین جو پلائی جام سحر تک
بجھو جس جلوہ دکھایا بخدا کہ نسبت بنا دیا
وہ پلائی ساغر آتشین کہ جلایا میرا تن خربین

وہ نشا بخود چھپا گیا کہ رہی نہ مجھ کو خبر تک
بہوین علم دست پلا دیا نہ رادوئی کا اثر تک
بہرگ آٹھی آگ یہ پہر و پہن جلایا جان بھر تک

لقریظہ از نتائج طبع شیخ محمد نور اللہ سکنتہ جالیسر ضلع ایبٹہ

ہزار ان ہزار شکریہ پروردگار عالم کو کہ جس نے اپنی قدرت کاملہ و صنعت بالائے
ہیترہ ہزار عالم کو کف عدم سے جلوہ گاہ شہود میں لایا اور وحدت کو کثرت میں لانی
کی غرض سے لو جناب رسالت ماب حضرت خواجہ سرور عالم یعنی جناب محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نور سے شفق فرمایا اور اس نور سراپا سرور سے ہر موجودات کے
آئینہ میں لیلی قدم کا موہنہ دکھایا اور حملہ مخلوق سے بنی آدم کو اشرف المخلوقات بنایا
اور اقلیم مذہانت و حداقت و بلاغت کو اس کی قبضہ تصرف میں و ولایت رکھا اور اس کی
اپنی کلام بلاغت نظام کے درلیعہ سے ذات واحد قادر مطلق کا موجود ہوتا تمام
اشیاء میں ثابت کر دیا اور وجہ ہر موجود کو اس ذات سچوں اولی مانند کا
انئینہ شہرایا چنانچہ اس زمان فرخی تو امان اسلئے یکہزار تین سو سولہ ہجری میں
جناب منشی سن موہن لعل سیکر ٹری چنگی شہر استوطن شہر کول ضلع علیگڑہ تھے
کتاب بلاغت لفظ مراث الوحده جو مصنفہ حضرت خواجہ سیف الدین ولد
خواجہ نظام الدین برہلوی لکھی ہے اس کو اس خوبی کے ساتھ اُردو میں
ترجمہ فرمایا ہے کہ علم معرفت اور حقیقت کا مرقع کہیں پایا ہے واقعی اہل
لغوف کو آئینہ حق نما ہے اور کو باطن تیرہ درون کو کھل باز اع البصر

حقیقت چوں نگہ کردم وجود حلقہ را
در درون و در نهان و آشکار
چهل علم و پنج و راحت فقر و گنج و کیس
سزاوار و قافله اکثر خزانہ اندید

عرش و کرسی از تریاکی تریاکی من بودم
بجز و محروم و مازار و سر اسن بودم
علت و معلول دار و دود و اسن بودم
چوں بدیدم نویسن من کیس من بودم

پراگندہ مسکت بسیار ای اسرار ربانی کو لباس حسد و ظاہر
کسا ہے تاکہ تمام بے چشم ملاحظہ کریں اور دوی دور ہو جاوے
اور شک و گمان دل سے جاتا رہے۔ اور ضرور بالضرور یہ سہ بھی
طالب کو معلوم ہو جاوے چھاکہ میں کیا ہوں اور یہ عالم کیا ہے اور
اور اسی معنی میں غزل (ضعیف حضرت شاعر اکبر آبادی کی ملاحظہ فرما

غزل

من قدم جدوت میں جلوہ نمایا ہوا
در یاسی قطرہ قطرہ سے دریا جدا ہوا
چاہا کہ دیکھوں حس طر حدار کی بہا
جلوہ دکھا یا صورت آدمین انکر
روشن سے صاف صاف بجلی تودی
اور لیں شعیب و لوح اسچم ہو و لو
چکا حوا انگر مہ کنال کی شکل میں
اعمار کی طرف جو کیا میل یارے
آخر وہی میل میل کے شوق یز
پہر پہر بیک روح ہو اصل کلیرت

آب دات باصفا تہی تہی تہی تہی
حورار تھی تہا سوا سوا سر ملا ہوا
آب ایسی دیکھوں کے لئے آتیا ہوا
یا یاسہ نیاز ملا یک چکا ہوا
سب حاسا ہیں طور یہ جہ ماجر ہوا
مات رہا ہر ایک سی سے ملا ہوا
ستہ و حال یوسعی کا جا کھا ہوا
مردے جلنے عیسیٰ معجز نما ہوا
آیا عرب میں میم کے اندر چھا ہوا
عالم بے وصال وہ معراج کا ہوا

انچہ مردم از مشقت آورند

یا یقین من رایگان آورده ام

جاننا چاہئے کہ مقصود تمام طالبوں کا یہ ہے مگر لوگ راہ چلتی ہیں اور منزل کو نہیں جانتی اسلئے میں نے چاہا کہ فیض اشکارا ہو جاوے اور سب کو منزل معلوم ہو جاوے اس لئے یہ کتاب بزبان اردو عبارت سلیس میں لکھی گئی اور لغات کو ترک کیا تاکہ پڑھنے والے سوار ہی نہ ہو۔ جانتا چاہئے کہ تمام آدمی اس باب کو نہیں جانتے ہیں اور اگر جانتے ہیں تو چپائے میں کوشش کرتے ہیں مگر میں نے جب دیکھا کہ لوگ اس زمانہ میں بہت گمراہ ہو چکے اور طریق اختیار کیا اس سبب ہے اس راز کو ظاہر کر دیا اور اور صاف صاف تحریر کر دیا تاکہ ہر شخص سمجھ لے۔ اور فی الحقیقت تمام کو میں نے خود دیکھا ہے اور جانتا ہوں کہ میں غیر نہیں ہوں پس اس معنی میں اپنے لئے کہا ہے نہ کہ دوسرے کے لئے۔

منزل

چون بدیدم خوشی اور ابتدا میں بدیدم
چند گامی بودہ ام از خود طلبکار خدا
در تحریر ماندہ ام آنکہ لعن چون خداست
خدا اندر فکر کن مردم چراغی من اند
مصطفیٰ گویند گشت اندر جان ختم الرسل
گاہ آدم گاہ نوح و گاہ موسیٰ کہ خلیل
کہ سکندر کہ سلیمان گاہ داور دینی

در میان ہم قسیت جز من ایہا من بودہ ام
چونکہ اور یا فتم دیدم خدا من بودہ ام
فکر چون کردم مگر بالذات من بودہ ام
فکر چون حل گشت دیدم جملہ را من بودہ ام
فتمت بالقد و لیکن مصطفیٰ من بودہ ام
گاہ یونس گاہ یوسف جملہ جا من بودہ ام
عیسے و عیسیٰ و ہود و ذکریا من بودہ ام

وہ یہ کام نہ ہے اور عمر کم ہے اور راہ دور و دور ہے لیس
 بہتر ہے کہ اون کی کتابوں کا مطالعہ کرے اور عمل کرے تاکہ
 چشم روش ہو جاوے اور شاید کہ انہی کا دل کو یہاں ہی
 لیس ہو اور ایک چراغ کے کلام کا ٹیڑھا جائے کیونکہ قلم متاج کی
 نالغیہ دل ہے اور دل نالغیہ حق ہے لیس قول متاج کا حق ہے
 کیونکہ جو کچھ حق جانتا ہے اونکا دل جانتا ہے اور رماں کہتی ہے
 اور قلم لکھتا ہے۔ لیس کلام اون کا کلام حق ہے۔ اور دس
 اون کے کلام کو ٹیڑھا تو گو یا حق کے کلام کو پڑھا اور
 اون کے ہم صحت رہا۔

منشی

جو نکند خورد مارا کرد داغ
 جو مکمل گل شد گلستند چراغ

اور مقامش چارہ سود چراغ
 بوائے گل را از کہ جو یکم از گلاب

عانتا جانتا ہے کہ کلام متاج کا حیات بخش ہے اور اس حیات
 عبارت اس سے ہے کیونکہ اس حیات ناریکی و ظلمات میں
 ہے اور یہ ہی حروف کی سیارہ میں ہے اگر اسی طالب کو پڑھا
 اور سمجھ گیا تو ترندہ جاوید ہو گا اور خصوصاً یہ کتاب حیات مجھ
 ہے کیونکہ اس میں وہ عروس معنی لباس عبارت پہاگرد کہلا
 گئی ہے کہ جس کا ذکر دل سے کوئی رماں تک نہیں لاتا ہے

بیت

اور طالب پر فرض ہے کہ انسان کامل کی صحبت اختیار کرے اور اگر اتنا ہو سکی تو ادا کرنے پر یہ ہے کہ جب کو فقیروں کے لباس میں دیکھی اوس کی ضرورت اور عظمت بجا لاوے اور اوس کا ملازم بن جاوے بقول شیخ سعدی -

بیت

بر کرا جامہ یار سابی | یار سادان و نیک مرد انکار
اور اہل دل اینین جاہلون کے گروہ میں مخفی ہیں اور ہمیشہ ان میں بسر کرنے میں مگر آنکھ چاہئے کہ اُن کو پہچانے جیسا کہ سعدی فرمایا

اشعار

ز تاج نلکزادہ در ملاج پدر گفت اندر شب تیرہ رنگ بہر شکہا پاسدار اسے سپر چو پاکیزہ نقشان صاحبان دراو باسش پاکان شوہر رنگ	شبلی لال افتادہ در سنگلاخ چہ دانی کہ گوہر کد امست و شک کہ لعل از میانش نباشد بدر بیا میختہ جلد با جاہلان ہمان جای تاریک لست و شک
--	--

اور انسان کامل اس زمانہ میں کو گرد احمر اکثر اعظم جامہ ہوا اور آئینہ سکندر اور عنقاے قاف ہیں - ۲ - اور اسے طالب جب تک تو انسان کامل کی جستجو نہ کر لگا اور اسکو نہ دریافت کر لگا انسان کامل نہ ہو سکے گا - اور انسان کامل کا دریافت کرنا بہت مشکل ہے جب تک کہ وہ خود اپنے آپ کو ظاہر نہ کرے

مثنوی

اندر آدرسایہ آن عاتق
حال و اندر زمین چون کوہ قاف
گر گویم تا قیامت لغت او
در شر و پویش کرد این آفتاب

کس نیامد بردار رہ ماسق
نخل او سیرغ بس عالی طواف
ہیچ آنرا عایب و مقطع محو
فہم کس والہد اعلم بالصواب

اور روز و شب پیر کامل کی خدمت کرنے چاہئے کہ طاعت سیر
تجلی سے بہتر ہے۔ کیونکہ خدا نے سرانگہوں سے دیکھ لینے کو دیا ہے اور
بجشم سر کو ملی اسکو ہدین دیکھتا ہے کہ اسکی عبادت کیجاوے عیا
کہ حق پوچھے کا ہے یس پر حاضر ہے اور دل مجید الوار الہی ہے۔
اور وہ پیر خدا ہے یس خدمت اسکی خدمت خدا کی ہے

بیت

زان روئے کہ حقیقت است اول
سجود تو پیر است اول
پیر کہ خواہد ہم نشینی با خدا
کو لتیند در حضور اولیا
اور اگر اچھی طرح سے دیکھا جاوے تو وہ معبود عین یہی ہے مگر بہار
آنکہہ نہیں ہے طالب اگر سو برس عبادت کرے تو ہیچ او بکار سے
اور اگر اکیسا عت کسی کامل کی صحت میں گزارے تو وہ حق تک پہنچاؤ

بیت

مکرمانے صحت با اولیا
بہتر از صد سالہ لودن در تلقا

کہ پھر اس کتاب کو مطالعہ کرے اور ہمیشہ مشغولی اسکی یہی ہے کہ اپنی
کو مطالعہ کرے۔ اگر اپنی کتاب سے غافل ہو جاوے تو کتاب اتر ہو جاوے
پس یہ گردش عالم اور تغیر و تبدل موالید میں اور آمد و رفت آسمان و عناصر
کی عبارت اس سے ہے کہ وہ کاتب اپنی لکھی کو پہر پڑھتا ہے۔ پس یہ
مراغہ تغیر و تبدل حروف کا ہے اس کتاب کبیر میں اور انسانی کل عبارت
اس لکھنی والے اور پڑھنے والے سے ہے۔ ہر ائمہ کوشش و رضا خدشت
ساگون کی اسواسطے ہے کہ انسان کامل ہو جاوین۔ اور طالب کعبہ لازم
ہے کہ طلب خدا کی کرے اور اسکو اپنے سے غائب نہ طلب کرے
کیونکہ سب وہی ہے۔

بیت

مالی تحصیل پار و پار و رول بودہ است || حاصل تحصیل یا تحصیل حاصل بودہ است ||
پس چاہئے کہ اس بات کی طلب کرے کہ انسان کامل ہو جاوے
کہ وہ مراتب الہی اور ربوبیت کملی ہے۔ اور انسان کامل کو اور کو
پر قیاس کرنا چاہئے کہ کہا ہے۔ کہ *الشیء فی لا مخلوق*۔ کہ صوفی مخلوق
نہیں ہے اور یہ مرتبہ انبیاء کا ہے۔ پس انسان کامل وہ ہے کہ حقیقت
اسکی یہ ہے۔ اسی طالب اگر تو انسان کامل نہیں ہو سکتا ہے تو اتنا
کر کہ انسان کامل کا بندہ ہی بن اور مقصود آفرینش سے انسان کامل
ہے *اولا کہ لما اظهرت الہی بیتی*۔ اگر نہ پیدا کرتا میں تجھکو نہ
ظاہر کرتا اپنی ربوبیت کو۔

ہر جہہ ہست اندر تو شمارم اگر می تمام
کاسہ بر عرشن باشت معریوں کرسی رو
ہر دو چشم دہر و گوش و دہر و منی یکد بال
آسمان باؤسن اکم ایسا باد آں
بعد از ان سودا و باجم جول چہ فراغی عزیز
باطلہ جبرئیل باستہ سیم اسرافیل شد
ماز قہ تھا کہ ہست اندر و دہر و تو سے
ہر جہہ ہست ان تو می زیر رکہ سیکڑم
سیفی ار ہستی خود جگہ کہ نامی تمام

لیک انکم فیصل لیسر دل چہ شکل برت
برعب یرہ و غریوں گفت سماں برت
گر می راست این ماسدال موت آخرت
ہر گفت ادا م تو یوں انہ ریخت کشت
مثل این خاک آئے ما و آتس برت
دل چہ عرشن روغن و قفل و منی غیرت
ملا میڈان کہ ہجو امت برت و شکرست
جبین اسد بران شمع کی صاحب گوشت
اکیہ اندر عالم برت ان تکر در تو ہست

جب سکو اس وجود میں رکھ لیا اسوقت خود آیا امر یہ سنہ جامع لکلی
کہ مختلف تفسیر کبری ایسی باتہ میں لیا اور جو کیا اس سمجھ میں نہا بیڑ ہے
لگائیں وہ کات اس قاری ہوا کیونکہ اگر اوس بیڑ ہے والے سام
کتاب صغیر اور کسر کو بیڑ با اور ایے تین لکھی والہ اور بیڑ ہے والا یعنی
تمامی حقیقت معلوم کیا۔ یس اسوقت اسکو انسان کامل کہتے ہیں۔
اور یہ معنی ہیں۔ کل لکھی یہ بیڑ جمع الی اکملہ ڈہر سے ایسی اصل
کیہ طرف روح جمع ہوتی ہے۔ کے ہاں لکھا آیا بیڑ گیا۔ اگر یہ کہا جاوے
کہ جب وہ لکھی والا تھا تو خود ایسی تحریر کہ جانتا تھا کہ کیا لکھا ہے بیڑ ہی
کی کیا حاجت تھی حواس یہ محال ہے کہ لکھی والا ایسی تحریر کو بیڑ بیڑ ہے
کیونکہ جو شخص کہ لکھا ہے ایسی تحریر کو اللہ بیڑ بیڑ ہے۔ اسی سب
سے کہ جب تک کتاب تمام ہو ہی تھی کات لکھی میں متغول تھا
اور جب کتاب تمام ہوئی متغول فارغ ہوا بیڑ ہی کام رہا کہ بیڑ

مستوق جان و دلہانزدیک است اما ہستی مادرین رہہ سد سکنہ را بد

پس لالعتین سے لعین انسان میں آنے سے مراد مبداء و جوہر ہے۔
پس اس لکھنے والے نے صورت انسان کو ایسا راست کیا کہ جو کچھ
نسخہ کبیر میں لکھا تھا سب کو انتخاب کر کے نسخہ جامع انسانی میں لکھا۔
پس اس کاتب نے اس نسخہ منتخب انسانی کو کہ کتاب کبیر میں سے
انتخاب کر کے لکھا تھا۔ کتاب صغیر میں لکھا۔ کہ کتاب کبیر کو اپنی پانہ میں
لیا یعنی اس صورت انسانی میں آیا کیونکہ کسی کو ایسا نپا یا کہ اس کو یہ
قابلیت ہو کہ منتخب نسخہ کبیر سے جو صورت انسانی کے۔

شوقی

من گنجیم پیچ در بالا و سپت
من نہ گنجم در زمین و آسمان
در دل مومن بہ گنجم این عجب
گر در اجوی دران دلہا طالب

جب اس کاتب نے کہ فاعل ہے نسخہ کبیر لکھا اور جو کچھ نسخہ کبیر میں
تھا تمام انزروے اجمال کے نسخہ صغیر یعنی صورت انسانی میں لکھا۔

غزل

ہر چہ باشد در زمین و برو بجز آسمان
جسم مانند زمین و استخوانہا سب کوہ
روح تو سلطان و دل تحت رت عطل انرا وزیر
افضہ بلایا باشد دافغہ کیاس دان
بالیقین اند۔ وجود تو تمامی مضمر است
موسیٰ با مثل درختان لحم چون بجز و بر
گوش جاسوس است و چشمیت بچو سیک بہر است
زنگر نیر آمد مضمون جاوہر سوداگر است

اگر مرتہ انسان تک لکھا میں کتاب کائنات کی تمام ہوئی۔
مفسر عہ

آب حشر مازل نفس انسان

انسان کے وجود میں آنے کے بعد اس قوت غالیہ نے
کہ لکھی والے ہے صورت انسان میں قیام کیا۔ اور ہر صورت
ایک طرح سے کہ جب لکھا اسی صورت میں رہا اور صورت اسکی
بنائی یہاں تک کہ لوہیت صورت انسان کی آئی۔ جب کہ
انسان کی صورت بنائی تو اس تمام قوت کے انسان میں
منقسم ہو گیا اور صورت انسان کو ایسا مقام بنالیا۔
جیسا کہ لکھا گیا۔

استراذ

تقریباً زلزلہ ساحت
خود جاں و اماں شد
خود آمد سکو کش
دارا می تھاں شد
پرستہ دل کہ دیدی
در پردہ محال شد

از بہر خود ایوان سزا خواست سازد
خود صورت سقف و در و دیوار بر آید
خود کور و در و کونہ گرد خود و گل کورہ
خود در سر آں کورہ خریدار بر آید
این حملہ بچوں بود کہ می آمد و میرفت
تا عاقبت آن شکل عرب وار بر آید

دیگر

یوشیدہ و لوق آدم ناگاہ بڑا آمد

آں مادی شاہ اعظم در دستہ بود محکم

الاعتین میں تھی جب اسنی چاہا کہ اپنی قابلیت کو ظاہر کرے پس وہ قوت خالقیت قوت مخلوقیت کو حرکت میں لائے اور بصورت ہائے مختلف ظاہر کیا۔ یعنی اس قوت نے کہ قوت مربوطیت ہے قوت مربوطیت کی چند اقسام کی اوسکی ایک محنت کا نام روح اول اور اور عقل کل ہے اور ایک کا لغو محفوظ و اتم الکتاب ہے اور کتاب مبین اور نقش شکل بھی کہتی ہیں اور ایک بجائے سیاہی اور اسکو طبیعت کل کہتے ہیں۔ پس مادہ تمام صورتوں کا طبیعت کل ہے۔ پس قوت خالقیت اور مربوطیت نے قوت مربوطیت اور مضبوطیت کو تین قسمت تقسیم کیا۔ اور ایک قسمت کو ایک میں ملا یا اور ہر جز قوتوں کا ایک سے ایک ملا دیا۔ اور کل شئی فی کل شئی واقع ہوئی۔

بیت

این مرت بیان آن کہ عارف گوید | باشد ہمہ چیز مندرج در ہمہ چیز
ہر آئینہ ان میں قسمت میں سے ایک کو لوح و دوسرے کو قلم تیسرے کو سیاہی کہتے ہیں۔ اور وہ قوت خالقیت لکھنی والی ہے اس اور شمار سے یہ نہ جانتا چاہئے کہ وحدت وجود میں کثرت لازم آتی ہے بلکہ وجود ایک ہے اور ایک سے زیادہ نہیں ہے اور یہ گردش وجود کی ہے کہ جو معلوم ہو رہی ہے اور ان تمام قابلیت کے ساتھ ظاہر ہوئی ہے اور یہ صورتیں اختیار کی ہیں جب اس لکھنی والے نے حروف کائنات کے تمام لکھدی یہاں تک

ست پرستی چون غمازی در صورت | صور نش بگذار در معنی مگر

قدرا اس بات کے حسب معلوم ہوگی کہ طالب لصدق دل اس بات
کہ مطالعہ کرے اور قبول کرے اور اتر قولیت کا اسکی پیشانی پر ہوگا

قنوی

اس کلمہ گراں سحر افزوں تنوہ | خود عکس جیہ بد کہ غار احوں شود
اس کلمہ چون بچکس را نیست تاب | حسیہ حسیہ کسان را نیست تاب
اس کلمہ چوں زیر کال این است | مانگ در کرم اگر درد کس است

اب کہ مینون اصل سے فرائض حاصل ہوئی۔ خاتمہ کتاب لکھا
جاتا ہے۔

خاتمہ کتاب

ختم کتاب حقیقت انساں اور تعریف کتاب اور اسکی تاریخ میں
تحقیق نہ ہے کہ انساں کا وجود میں آنا محض وجود کی شناخت کے واسطے
ہے اور اگر وجود کی بیجاں ہو تو وجود کو تعطل اور بکاڑ لاری لازم ہو
اور موافق حکم ما خلقناک انجبی فی الارسی ارکلا لیعبدک
ای لیعبدک فی ان کے معرفت وجود کی ہمیر ضروری ہے۔ اور موافق
قابلیت اور استعداد کے ہرگز کہ معرفت اس وجود کی حاصل ہے
مگر معرفت کلی حاصل نہیں ہے۔ اور معرفت کلی انساں کا کل
کو حاصل ہوتی ہے۔ اور انساں کا کل کی یہ تعریف ہے تاکہ معلوم
ہو جاوے۔ کہ وہ قوت کہ اس وجود کی لغتیں پہلی قوت

جواب مبداء عین معاد ہے اور معاد عین مبداء ہے دونوں ایک ہے اور یہ دونوں اعراض اعتباری ہیں وگرنہ اس وجود میں مبداء و معاد نہیں ہے
 اَلْکُنْ کَمَا کَانَ۔ ہنوز ویسا ہی ہے جیسا کہ تھا۔ پس جانتا جا ہی کہ وجود ایک ہے اور وہ قدیم ہے اور حق ہے اول و آخر نہیں کہتا
 خود موجود ہے تمام اشیاء ماسیات ذہنی ہیں اور خارج نہیں ہیں اور تمام کا وجود علمی ہے اور حق عین ہے۔ اور بجز اسکے نہیں ہے۔ واسطے کتاب صادق کے یہ چند سوال و جواب اجمالی طور پر بیان کر دئے گئے ہیں اگر اگر مفصل طور پر بیان کیا جاوے تو کتاب دراز ہو جاوے اور مقصود تمام نہ ہووے۔ اس واسطے موافق حکم۔ نَحْنُ الْکَلَامُ صَاقِلٌ قَادِلٌ یعنی کلام مختصر و دل بہتر ہوتا ہے۔ کے اسی پر اکتفا کیا۔ اور اس بات کو ہر شخص نہیں جانتا بجز اسکے کہ اس پر نظر مرد کامل کی پڑھی ہو

بیت

تائیفہ بر تو حردے رائے نظر از وجود خویش کے یابی خبر
 اور جس میں کہ حد اور انکار و جہالت جڑ پکڑتی جاتی ہے
 محال ہے کہ وہ سمجھو۔

مشوی

اے کہ اندر چشمہ شکریت حیات مرغ کلاب شور باشد سکنتش
 تو چہ دانی سطرہ جیون فرات او چہ داند قدر آب روشنش
 اے تو نارستہ ازین فانی رباط تو چہ دانی محو و شکر و انبساط

جواب سندہ فکر خداوند ہے

سوال نہ کر کیا ہے

جواب مگر یہ ہے کہ مادشاہ غلام کالاس بہی اور خود ہر طرف کو
حاکم کر کے کہو کہ مادشاہ نے ایسا فرمایا ہے۔

سوال خدا کب پیدا ہوتا ہے۔

جواب جب کہ سدہ خدا ہو جاوے یعنی بجمع صفات خدا موصوف
ہو جاوے۔

سوال وحدت وجود کس طرح معلوم ہو سکتی ہے۔

جواب جو اس غم سے کو دور کرنا چاہے تو یہ غام کثرت وحدت دکھائے
دیگی۔

سوال جب کہ وحدت ہے تو یہ کثرت کسلی ہوئی۔

جواب وحدت کا قیام کثرت کے ساتھ ہے اور حقیقت میں
کثرت نہیں ہے مگر احوال کو دکھائی دیتی ہے۔

سوال شریعت اور طریقت کیا ہے۔

جواب شریعت ہدایت ہے اور طریقت استخوان ہے۔

سوال دوزخ و بہشت کیا ہیں۔

جواب دوزخ مٹھ پر جلول ہے اور جب مٹھ پر کمال ہے۔

سوال سوال و جواب کیا ہے۔

جواب سوال عبارت مبادار سے اور جواب عبارت معاد سے ہے۔ یعنی

ترفع کرنا اور ختم کرنا۔

سوال مبادار اور معاد خدا ہیں یا ایک ہے۔

سوال انسان کے وجود کی بقا کس چیز سے ہے۔

جواب محبت خدا سے کیونکہ جب محبوب باقی ہے تو اس کی محبت

بھی باقی ہے۔

سوال عالم کی حقیقت کیا ہے۔

جواب عالم کی حقیقت یہ ہے کہ حق کو جان عالم اور عالم کو جسم

حق جانے اور دونوں کو غیر یکدگر نہ جانے بلکہ عین جانے۔

سوال عارف کون ہے اور معرفت کیا ہے۔

جواب عارف وہ ہے کہ کسی چیز سے عجب ملے نہ ہو۔ اور معرفت

یہ ہے کہ دونوں کو ایک دیکھو اور ایک کو دو۔

سوال آدم کون ہے۔

جواب آدم وہ ہے کہ اس دم کو اس دم میں اور اس دم کو اس

دم میں دیکھے۔

سوال دل کیا ہے۔

جواب دل منظر جلوہ الہی ہے اور ظہور حق تمام دل میں ہے

سوال دل کی صورت کیا ہے۔

جواب دل کی کئی صورت ہیں اور ہر صورت اس کی صورت

ہے۔ صورت نمود ہے اور معنی وجود ہے صورت بی معنی نہیں ہوتی ہے اور معنی

سب صورت نہیں ہوتے۔

سوال ولی کیا ہے۔

جواب معنی حق ہے بصورت بندہ

سوال بندہ کیا ہے۔

صبر و اعداء نحو اور افعال بعد از فنا یہی ہے۔ اس بیان سے مدد ملے اور
اولیٰ کے جواب کو کہ مفید ہیں نگہ کرتے ہیں۔

سوال رضا اور ریاضت سا کون کی حد تک تمام احوال
میں حق ہے کس لئے ہے۔

جواب اس نسبت کو عیسوی کہ وحدت الوجود کے ساتھ ہے
معلوم کر لیں اور اس سال کامل ہو جائے۔

سوال انسان کامل کون سے اور اسکی نفیقت کیا ہے۔
جواب انسان کامل کی نفیقت جتنی اور کامل وہ ہے کہ جو کچھ عالم کے

وجود میں ہے تمام کہ حق میں دیکھئے اور ایسے کو جامع خدا اور خلق دیکھو
کمال وہ ہے کہ اس میں کمال رہا ہو ایسی ہدایت سر ہی ہو۔

سوال کرامت کیا ہے۔
جواب کرامت یہ ہے کہ اپنے کو تمام حق کے کرامت حاصل ہو کر

اپنی تئیں در بیان میں نہ لگے۔ اور اپنی ہستی کو فراموش کر دے۔
سوال ایسی ہستی کس طرح کم ہوتی ہے۔

جواب ایسی ہستی کا قیام حاکمی ہستی کے ساتھ دیکھو۔ جیانیہ ہستی
سایہ کی وجود کے ساتھ اور تمام حق کی ہستی کو حاصل ہے۔ پس جب کہ اپنی

کو سب حق دیکھا ایسی ہستی کہ کم کیا۔
سوال سایہ کا وجود عین شخص ہے یا غیر شخص۔

جواب سایہ عین شخص ہے غیر شخص نہیں ہے۔ کیونکہ لغیر
وجود کے سایہ کو نمود نہیں ہوتی ہے پس سایہ نمود شخص ہے اور نمود

بود نہیں ہوتی ہے۔ سایہ اور شخص ایک ہے۔

کہ تم ادا کرتے ہو کیا ہے کیونکہ سب حق ہے طاعت و سجدہ کس کے واسطے
 ہے ساجد غیر مسجود نہیں ہے اور عابد غیر معبود نہیں ہے۔ جواب یہ ہے
 کہ چونکہ یہ احکام ظاہری ہیں اور ہم حالت ظاہری رکھتے ہیں اور باطن ظاہر
 کو ظاہر سے مشغول رکھتے ہیں اور باطن کو باطن سے۔ تاکہ کوئی خراب نہ ہو
 نقل ہے کہ جب منصور نے انا لحق کہا تو کون نے اسکو قید کر دیا قید میں
 اٹھ کر چار سو رکعت نماز ادا کی ایک شخص نے کہا کہ جب تو خدائی کا دعویٰ کرتا
 ہے تو یہ نماز کیا ہے کہا کہ شریعت ہی مجھ سے ہے۔ اور میں چون کہ خدا ہوں
 سب کو نگاہ رکھتا ہوں۔ اور اپنی قدر آپ جانتا ہوں۔ اگر کسی کا یہ
 حال ہو کہ اپنے کو تمام حق دیکھتے اور نماز پڑھتا ہو تو اسکی ایسی بات ہے
 کہ منصور نے کہی۔ اگر تمام حق سے دیکھتا ہے تو میرا مینہ احکام ظاہری ہی ہو
 حقیقت ہے اور جو کچھ امر و نہی کہا ہے تحقیق محض ہے اور خلقت کے
 لئے مصلحت عین اور کامل وہ شخص ہے کہ باوجود اس حال کے پابند
 شریعت ہو۔ مگر اس کی دانش و اعتقاد جیسی کہ بیان کی گئی ہے چاہیے
 کیونکہ جبکہ حقیقت یہ ہے تو چاہئے کہ صورت کو معنی کے ساتھ ہمیشہ
 جمع رکھے اور رد نہ کرے۔

مثنوی

نیست ممکن جزو سلطان شگرت
 انچنین زیاروش کم بودی اندر جهان

جمع صورت با چنین منعی زرف
 از دون شو آشنا و ز برون بجانہ و ش

پس جانتا چاہئے کہ سالک جب اس مقام پر پہنچ جاتا ہے وہ کامل
 ہو جاتا ہے۔ اور کمال نہیں رہتا ہے۔ نزول بعد از عروج اور

مثنوی

اے ساجدیں کہ چوں شکر لود
در مقامی رہد در حائے دوا
در مقامے خاک در جائے چو گل
در مقامے خاک حائے کیمیا
در مقامے عیب در حائے سہر
در مقامے حطل و حائے شکر
در مقامے ظلم حائے محصل
مگر یہ ایسا او گرد حال لود
آب در عورہ ترش ماتد و لیک
یار چشم او شود تلخ و حرام

ایک رہبر اندر شکر مضمر لود
در مقامے کھردر حائے دوا
در مقامے سرکہ در حائے چو گل
در مقامی صبر در حائے شفا
در مقامے سنگ در حائے گہر
در مقامے خشک در حائے سیرت
در مقامے جہل حائے عین فصل
چوں بدیحا در رسد در مال لود
چوں بہ انگوری سد تیریں سیک
در مقامے سرگے نعم الدوام

یس حاسا چاہئے کہ ایک ہے حقیقت ہے کہ دیا ہی ہے اور خدا
ہی ہے رہبر ہی ہے تریاق ہی ہے بحر ہی ہے کوہ ہی مشہر ہی لطف
ہی قہر ہی مرد ہی عورت ہی دورخ ہی بہشت ہی۔ سگ و حنت
دور و دیوار و اعیار و رنج و آسماں جسم و حال آب و مال
یہاں توکل یہ اور وہ اور یہ صبر و کرم اس کا ایک رنگ ہے اور محبت و کرم

بیت

مردمی باید کہ مانند ستار
آفتاب شاد و نور بہ لباس
اگر یہ کہا حادی کہ جب کہ حقیقت اس طرح ہے پس یہ راحت دینی

ارادہ کیا تھا حق غافل تھا اور جب کہ فعل ظاہر ہو گیا اس کو رد
 نہ کر سکا پس شرکت ہوئی۔ اور یہ محال ہے پس جانتا چاہئے کہ
 کہ اگر خدا ان دینوں سے راضی نہ ہوتا ہرگز کوئی دین قائم نہ رہتا۔
 مقرر ہوا کہ سب اسکے ارادہ اور خواہش سے پیدا ہوئی ہیں مگر
 یہ درست نہیں کہ اپنی خوشی سے ملت ہیں۔ یہ آئینہ جب کہ تمام حق
 رضا و خواہش سے پیدا ہوئے تو خلق کا وجود کہاں رہا کیونکہ مخلوق
 کو نہ تو فعل میں اختیار ہے نہ وجود ہے بلکہ فعل بھی نہیں ہے پس جو
 چیز کہ نہ تو اسکا وجود ہے نہ اسکا فعل ہے پس وہ عدم ہے اور
 وجود خاص کر اسی کے لئے ہے کہ فاعل ہے۔ پس جانتا چاہئے کہ جو
 کچھ ہے سب حق ہے۔ تمام عل اور مذہب حق ہیں۔ کیونکہ
 ہر اہل ملت یہ کہتا ہے کہ حق نے اس طرح فرمایا ہے اور سچکوا
 تسلیم کیا ہے پس کس کو حق کہہ سکتے ہیں اور کس کو باطل۔
 جانتا چاہئے کہ سب حق ہیں اور وجود حق کا ہے کہ اپنی تعریف
 ہر جگہ بطرز دیگر کے ہے۔ اگر تمہارے آگے کوئی نزار باتیں حقانی
 بیان کرے اگر تمہارا دل قبول نہ کرے تو وہ باطل ہے اور اگر
 نزار باطل بیان کرے اور دل قبول کرے تو وہ سب حق ہے۔
 پس اس بات کا یقین کرنا چاہئے کہ حق عبارت لطیفہ دل سے ہے
 اثبات دل اثبات حق ہے اور نفی دل نفی حق ہے جو کچھ
 عالم میں ہے ایک طرح سے نیک ہے۔ اور دوسری طرح
 سے بد ہے جو نیک ہے وہی بد ہے اور جو بد ہے وہی نیک
 ہے اور حقیقت میں بد نہ نیک۔

کیونکہ جب تمام جگہ اہل حکم برابر کہا گیا۔ میں ہر جگہ تسلیم کرنے کے لئے آمنا کہا۔ ورنہ سوائے اسکی کون کہہ سکتا ہے۔ کیونکہ اگر کوئی غیر سوائے اسکی سزاوار انانیت کا ہوتا ہے تو خدا پر محض لازم آتا کہ ماورود ہستی حق کے غیر اہل ہوئے پس محال ہے کہ حق کے لئے انانیت ہو۔

نظم

انانیت لود حق را سہ اوار	کے نوعت نایت و ہم سزاوار
محز حق میت کس را ہستی الحق	ہو الحق گوئی خواہی در انا الحق
حاجت حق را دوی میت	در آنحضرت مس و ماؤ توئی میت

پس انانیت تمام کی انانیت حق کی ہے۔ اور اگر یہ ہی درص کیا جاوے کہ سب غیر حق ہیں اور مائل ہیں۔ تو آیا ایسی خواہش سے لے ارادہ حق ایسے ہو گئے ہیں یا خواہش حق سے کہ محض اس کا حکم ہے یا شے کت سے کہ میل او پہلے خواہش کی پہر حق بھی راضی ہو گیا۔ پس اگر یہ کہا جاوے کہ لے ارادہ حق ہوئی ہیں تو یہ محال ہے کیونکہ ایک درہ بھی ملاحکم حد کے نہیں مل سکتا اور اگر حق کی خواہش سے ہوئے ہیں تو پہر خلق کو درمیاں میں کیوں دیکھتے ہو۔ اور اگر ایک کو حق اور ایک کو مائل کہتے ہو۔ کیونکہ جو کچھ حق کرتا ہے ہر گراہی حد نہیں کرتا ہے اور اگر کہا جاوے کہ شرکت سے ہوئے تو اس پہر مائل یا باحاطا ہے اور لازم آتا ہے کہ حق عاجز ہے کہ اپنے غیر کے فعل پر راضی ہو گیا اور جب کہ غیر نے

نے کافروں و دین ست فی شک فی یقین است
 فی بت بود نہ بت گرتی است پیغمبر
 نے کعبہ نہ دیر است نے یاروہم نہ غیر است
 فی مجرم و نہ عصیان نے نامہ و نہ میزان
 فی شک نہ یقین است فی آن بود نہ این
 فی روزہ و نماز است فی سجدہ و نیابت
 فی عرش است کرسی از دیگران چہ پرسی
 سیفی خموش و دیگر گفتی ہمہ سہ اسر

نے آن بود نہ این است جملہ خدا است بگر
 نے مسجد و نہ ممبر جملہ خدا است بگر
 نہ طاہر و نہ طہر است جملہ خدا است بگر
 ز آتش و نہ میزان جملہ خدا است بگر
 فی چون و فی چنین است جملہ خدا است بگر
 فی سوز و فی گداز است جملہ خدا است بگر
 فی یک بود نہ وہ شی جملہ خدا است بگر
 اینکتی شد مقرر جملہ خدا است بگر

مقصود ان تمام کلمات سے یہی ہے کہ بجز حق کے موجود نہیں ہے
 اگر صد ہزار دکھائی دین بلکہ ایک ہے اور وہ ایک صد ہزار دکھائی
 دیتا ہے اور مذہب اور مل بجز حق کے نہیں ہے۔ اور تمام مذہب
 اور حق ہیں۔ اگر مسلمان ہے اپنی دین کا اثبات کرتا ہے اور لفظی غیر
 مذہب کی کرتا ہے اگر کافر ہے وہ بھی اسی طرح اپنا دین ثابت کرتے ہیں

بیت

پہ امام صومعہ چہ پیر و ہمسر
 میکند اثبات خویش و لفظی غیر
 پس امام کی انانیت کو دیکھنا چاہئے کہ کس طرح اپنی تین ثابت
 اور غیر کو لفظی کرتے ہیں۔ اور اسی پر حق کی حقیقت کو قیاس کرنا چاہئے
 کہ ہر شخص نے اپنی دین کو حق اور غیر کو باطل کہا ہے پس یہ انانیت
 انسان کی انانیت خدا کی ہے۔ کہ جب سب ہی ہے کہ اس
 صفت سے ظاہر ہوا ہے پس حق کسی مرتبہ میں کمتر نہیں ہے۔

ہوئی نہ کسی کے آگے حقیقت میں نیک ہوئی اور اگر ایک چوتی تو
 ہرگز نہ ہوتی پس جب اس میں یہ دونوں مات مات ہیں تو معلوم
 ہوا کہ یہ دونوں وجود کی طرف اضافت میں اور وہ ان دونوں سے
 برابر ہے پس اختلاف کہاں رہا۔ اسی میں یہ کہا گیا کہ عَدْلٌ ظَلَمٌ
 عَدْلٌ ظَلَمٌ میں ایسی حد سے کے گمان کے ساتھ ہوں۔ اگر یہ کہا
 جاوے کہ جب یہ مات ہے تو اسلام و کفر ایک ہیں کافر ہوا کہ کافر
 ہی بہشت میں جاوے گیے تو عاں اچاہے کہ حقیقت بہشت و دوزخ کی
 سوال سوم میں گزری چکی جب کہ حقیقت حمت اور دوزخ کی یہ ہیں
 پس یہ اضافت ہیں لطف و خود کے ہر اُمیہ کافر۔ مومن ہی اہانت
 میں اس وجود کی فی الحقیقت نہ کافر موجود ہے نہ مسلمان ہے اور
 اس وجود کو اسم و رسم اور اضافت کے دیکھنا چاہئے کہ کیا
 التَّوْحِيدُ اِسْقَاطُ الْاَصْنَافَاتِ نہ توحید ساوٹ کر یا اضافت کہ ہے

عَدْلٌ

فی کافرست و مومن حملہ خداست مگر	نہ مگرست مومن حملہ خداست مگر
فی دوزخ و بہشت نے احس و رتست	عارف ہمہ بہشت حملہ خداست مگر
لے آدم و رحوئے حمت و نہ دیا	فرما دوست میدا حملہ خداست مگر
لے مدگی نہ طاعت نہ دیں نہ عبادت	لے سونے لصاعت حملہ خداست مگر
لے اوّل و لے آخر نے ظاہر و باطن	لے راحم نے قابر حملہ خداست مگر
لے تنوع و نہ تزلزلت و راہ و طریقت	لے حق نے حقیقت حملہ خداست مگر
لے نور و نہ سیاہی نے شاہ نے سیاہی	ارما ہا سماہی حملہ خداست مگر

اعتباری ہیں نہ کہ حقیقی۔ کیونکہ وہی ایک چیز ہے کہ ایک اعتبار سے بدی اور دوسرے اعتبار سے نیک۔ پس ایک جز میں دو ضد محال ہے کیونکہ اگر نیک ہے بد نہیں اگر بد ہے نیک نہیں۔ چنانچہ بجات ناک کے نزدیک بد ہے مگر چشم و گوش کے نزدیک بد نہیں ہے کیونکہ بدی اس کی بواسطے قوت شائدہ کے ہے اگر شائدہ نہ ہوتی تو وہ مہرگز بد نہ ہوتی۔ پس وہی ایک جز ہے کہ نزدیک بعض کے نیک ہے اور بعض کے نزدیک بد ہے اور حقیقت میں نہ وہ نیک ہی نہ بد ہے

منثوی

از جمال یوسفی اخوان نفور	ایک اندر دیدہ لعیفوب حور
جان ہامان خارب قبطی شدہ	جان موسیٰ خارب قبطی شدہ
سہت ہامان پیش سبطی بسر حیم	سہت موسیٰ پیش قبطی بسر دہیم
نور یان نور یان راطالم اند	نار یان عرنار یان راجالب اند
در مقامی خار و حرب سے چو گل	در مقامی نار و حرب سے چو گل

چنانچہ ہر گن کاؤ پر ممنون کے نزدیک پاک و مکمل ہے اور نزدیک مسلمانوں کے غلیظ۔

منثوی

در حق او شہد در حق تو سم	در حق او مدح در حق تو ذم
پس جو چیز کہ ایک جگہ بد ہو اور ایک جگہ اچھی ہو تو وہ عاقلوں کے نزدیک نہ نیک ہے نہ بد ہے۔ کیونکہ اگر بذات خود وہ بد	

روح ہے اور روح مردار نہیں ہے۔ اور اسکی کچھ حاجت جاسے
 کی نہیں تمام وجہ کو معلوم کرنا چاہئے کہ کیا ہے پس اسکی حقیقت
 معلوم ہو جائیگی کہ کیا ہیں اور تمام موالید کے مبداء کو نکاد کرنا چاہئے
 کہ عناصر ہیں اور عناصر مردار نہیں۔ کیونکہ موالید ہم سے اور عناصر اہلک
 سے اور اہلک انفس کل سے اور نفس کل عقل کل سے اور عقل کل
 اس کے نور سے ہے۔ پس مقرر ہوا کہ تمام موجودات کا مبداء نور خدا کا ہے
 پس بکہ خدا کا لہر یا کبھی ہے تو حوتے کہ اس سے بنی ہے وہ بھی
 پاک ہے۔ حصہ ۷

رنگ و ہرچہ مبادی کثرت یکوہیت

اور نور خدا غیر خدا نہیں ہو سکتا۔ پس اس اعتبار سے تمام مبادی
 و اختلاف ایک ہیں کوئی نہ یا یک نہیں ہے۔ تمام ذات پاک
 ہے اور تمام کثرات عین وحدت ہے کیونکہ کثرت تمام جو اس سے
 کیونکہ کہاں سنا ہے بحال ہے کہ دیکھو پس وجود جس اور خدا و حقیقت
 و وحد کا نزول یک گمشدہ کے موجود ہے۔ اور انکھ کے نزدیک ہوتے
 و خدا کا وجود ہیں ہے رنگ والواں کا وجود ہے اور کائنات کے
 نزدیک رنگ کا وجود ہیں اور ناک کے نزدیک۔ یکہنر اور ہستی
 کا وجود ہیں ہے۔ کیونکہ پس کو بحر و ق کے جبر ہیں اور نفس
 ایسی جو ماں چارون میں سے کچھ بھی نہیں رکھتا ہے۔ پس ہر
 چیز تعلق جس کے ساتھ رکھتی ہے پس اگر یا خانہ خراب ہی تو
 نزدیک ماک کے اسکی لو خراب ہے۔ اگر سگ و حوک بد
 ہیں تو نزدیک انکھ کے کہ وہ سے جس نے نزدیک پس تمام اتیا کثر

لَطِيقُ خَاکِ لَطِيقُ آبِ لَطِيقُ کُلِّ
 جوید با سرت پستہا آواز بلا سرت

پس اگر اس طرح دیکھا جاوے تو اختلاف زبان کا دور ہو جاوے اور
 سب یک سخن نظر آویں او ایک سخن سے زیادہ ہے ہی نہیں۔ اور
 یہ تمام لغزہ کہ سنائی دیتے ہیں ایک صمد اسے بلکہ حقیقت ایک خدا ہے پس
 مقصود اس عبارت سے یہ ہے کہ اختلاف مذاہب اور ملل کا یہی وجود کی
 گمانگاہی ہے۔ اور جو شخص جیسا ہے ویسی تعریف کرتا ہے کیونکہ ہر حق سے
 موجود نہیں ہے۔ وہی ایک حقیقت ہے کہ بصورت بسیار ظاہر ہو گئی
 ہے۔ اور ہر صورت عین حقیقت ہے اگر یہ کہا جاوے کہ دنیا میں تباہی و فتنہ
 بہت ہیں مثلاً گیتا سور وغیرہ تو یہ کیا ہیں۔ جاتا چاہئے کہ انہی وجود ہیں
 کچھ نقصان نہیں لازم آتا ہے۔ کیونکہ فرق شکل میں ہے ورنہ بحیثیت
 وجود قرار کیا ہے۔ کیونکہ اس تمام وجود کی خاصیت حیات ہے کہ
 صفت سے دوسری صفت پر آتی جاتی ہے۔ مثلاً یا خانہ کہ اس کا
 رنگ اور ہیئت مردار ہے ورنہ اصل اسکی وہی آپاک ہا لبیب صحبت
 انسان الیا ہوا۔ اور ہر جب اس کو کہیت میں ڈال دیا تو اسنی والوں
 کو قوت بخشی اور خاک ہو گیا۔

بیت

کوزہ چون شکست می گوی سفال | چون سفلش خاک شد رنگ تو حال

پس سگ و خوک کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہئے کہ بیک مرتبہ سی
 ہیں مگر جب دوسرے مرتبہ پہنچتے ہیں اس سے اعلیٰ ہو جاتے ہیں
 اور عاقلوں کے نزدیک کچھ تناقص نہیں ہے کیونکہ ان میں

ہمارے نزدیک اس کا اعتبار ہے اگر غور سے
 دیکھا جاوے تو جو آور کہ نکلتی ہے وہ وجود کا خوش
 ہے اور ہر تے میں البتہ آور ہوئی ہے اور اس
 میں ایک رار ہوتا ہے اور اس رار میں ایک ساز
 ہوتا ہے یس آدمی ہی آور رکھتا ہے۔ یس سخن
 وجود خوش ہے اور اس وجود دروں میں ہے
 ہر درہ میں ایک فنان لطیف ہے اور اعتبار دیگر
 کسی تے میں لائق ہیں ہے کیونکہ سب صدا ہے۔
 یس اس طرح کماہ کرنا چاہئے کہ لائق ہی اس وجود
 کی صورتوں میں سے ایک صورت ہے علیٰ ہذا القیاس
 ہر تے ایک صورت ہے اس وجود کی صورتوں
 میں سے۔ اور تمام صورتیں ایک صوت ہے۔
 اور ایک وجود ہے۔ چشم کہو لکر زماں شد کر کے
 دیکھا جائے کہ کس قدر صورتیں لطیف ہیں۔ حاشا
 چاہئے کہ صدا اواز اور لائق اور صورت ہی صورت
 ہے۔ اور اس وجود کی صورتوں میں سے اور تمام
 اشتیاق لائق ہیں۔ اور لائق رکھتی ہیں۔ اور کوئی
 ایسا درہ ہیں ہے کہ نالائق نہیں ہے۔

مثنوی

فلسفی زان سکر حامد است | اگر جو اس دنیا بگا بہ است

خاک کش را داد مردی پکدرم
 فارسی و ترک و رومی و عرب
 فارسی گفتا درین چون دارم
 آن عرب گفت اسی معاذ اللہ لا
 آن کی کو ترک گفت اسی ستم
 آنکہ رومی بود گفت این فعل
 مست بر ہم میزدند بر ابلیہی بد
 در تنازع مست بر ہم می زدند
 صاحب سری عزیز صد زبان
 کہ گفتی ایکہ زین من آگہم
 یک دم شان می میکند چار املاد
 آن کی شخصی ترا باشد پدر
 در حق شخص دیگر او عم و خال
 در حق شخص دیگر بر وعدو
 صد ہزاران نام او یک آدمی

ہر یک از سحر افتادہ ہم
 ہر چہار اندر نزاع و لقب
 بین بیاتایان نہ انگور می ہم
 من عنبت خواہم نہ انگور می ہم
 من نمیخواہم عنبت خواہم رزم
 ترک کن خواہم اسب و فیل را
 پر بودند از چہل زدانش تہی
 کہ ز بند نامہا غافل بدند
 گر بدی اینجادادی صلح شان
 از روی حملہ ہا بر احمی حرم
 چار دشمن می شود یک اتحاد
 در حق شخصی دیگر باشد پسر
 در حق آن دیگری مح و خال
 در حق آن دیگری لطف و نگو
 صاحب ہر وصف از وصفش عمی

پس جانتا چاہئے کہ اگر یہ تمام اختلافات زبان ہوتے
 تو یہ جنگ و غوغا عالم میں نہوتا۔ کیونکہ سب ایک حقیقت
 کے طلبکار ہیں اور وجود ایک سی زیادہ نہیں ہے۔
 اور فی الحقیقت اختلاف بھی کچھ نہیں ہیں کیونکہ جس
 زبان میں بات کیجاتی ہے زبان ہلتی ہے اور تالو
 سے لگتی ہے اور مختلف آوزین نکلتی ہیں۔ اور

سر آئینہ دو نولں راست کہتی ہیں مگر اپنی اعتقاد میں
 ولیکن یالی نہ یہ ہے نہ وہ ہے اور یہی وہ ہے او
 یہی یہ ہے

مثنوی

<p>آئینہ خود را بعکس شمس بامت حلق مامد ازاں در شگفت حلوہ حوشیدہ و لست بدید صاف شد بہت میں حق راست بالحق تو گوئی روست</p>	<p>پر تو خورشید سر آئینہ تامت مانگے آئینہ انا الشمس گعت بہ کہ در ان این آئینہ دید سیمی اگر آئینہ حال تو گرمہ حق نمی نوی کم و کاست</p>
--	---

لس حاسا چاہے کہ ہر شخص کی نظر ایسی آویز ہے
 غیر پر نہیں ہے۔ چنانچہ سماں اپنے طور پر تعریف
 کرتے ہیں اور انصارے اور یہود و کراہے طور
 پر اس کی تعریف کرتے ہیں۔ مگر سب اختلاف
 رماں کے ایک دوسرے کے مطلب کو نہیں سمجھتی
 میں۔ اگر اختلاف رماں کا حاتار ہے تو تمام آدمی
 طالب و حوا ایک حقیقت کے کلیں۔ عسا کہ مولانا
 نے مثال فرمائی۔

مثنوی

<p>اندریں مہمی مہمال خوش مشو</p>	<p>نامالی تو ایسا می را گرو</p>
----------------------------------	---------------------------------

چوبک زرن تو شود بنا موس
 این دیلیب او بہانہ است
 ہر صبح دعائے میفرستند
 ز تار و فاست بر میانش
 جز سرعت تو ندیدہ در کش
 خوانند ترا با صلا حے
 کو کوئی آن کوئی لست پیوست
 توحید تو از جہاد حیوان
 وان جز کہ در حقیض لستی ست
 آنکہ ز تو کس نشد خردار

نرسا کہ زند ہمیشہ نا قوس
 اور اسمہ بس توئی نشان بست
 ہند و کہ ہمیشہ بت پرستند
 جز یاد تو نیست وزمانش
 این جملہ دین ملت خویش
 مرغان چین کہ صبا حی
 چون فاختہ ہرچہ در عنایت
 از گوش یقین شنیدن آسان
 آن ذرہ کہ در سوا می ہستی ست
 فی الجملہ ترا ہمہ طلبکار

جب کہ مقصود سب کا ایک خبر ہے ہر ائینہ اس معنی میں
 سب متفق ہیں۔ اور جس نے نبیا و سکوپا یا ہے ویا
 کہتا ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ پانی کوزہ میں کوزہ
 کی صورت رکھتا ہے اور جسم میں بصورت جسم ہی
 اور ہر طرف میں اس طرف کی صورت ہے مگر طرین
 بصورت بسیار مشکل ہیں بعد ازاں تمام طرفوں میں
 پانی آگیا پس اگر طرف کج ہے تو پانی بھی کج ہے اور
 اگر طرف راست ہے تو پانی بھی راست ہے پس ہر طرف
 اس کی تعریف موافق اسکی صورت کے کیجاتی ہے
 اگر جسم ہے تو کہتا ہے کہ پانی میری صورت ہے
 اگر کوزہ ہے تو کہتا ہے کہ پانی میری صورت ہے

<p> گنج محیی بک ز نری خاک کرد گنج بہاں ز نری حوش کرد گریدیدی قطره از دہلہ خدا آکہ دبد بدست ہمیشہ بخود داد ای رعرت رسبو مشک زودہ خروج جسم رقص مست و محال جسم شکست آب از و نارایتہ نے سویدادین حالت آب </p>	<p> خاک امان ترازا ہلاک کرد خاک راسلطان اطللسلجش کرد جو سو ہمارا فنا کردی دما بجو دانہ رسبو سگے ردند واں سلو شکست کامل آمد عقل حروی را نمودہ محال مدد رستی ریں شکست انجمنہ حوش میں واللہ اعلم بالصواب </p>
--	---

حائنا چاہیے کہ اس وجود کی صورتیں گونا گوں ہیں
مگر سب ایک ہیں اسی طرح اگر چہ مذہب و ملت مختلف
ہیں مگر سب کا مقصود خدا ہے۔

انظم

<p> قوی کہ دریں طواف گاہند در مسجد و حالقاہ محراب ہم در طلب تو خرقہ یوتاں قومی رعم تو در مساجد چہاں کہ ہاں و آشکارند گر سجدہ سردمنی بر آتش محراب جو در گرجت مست توحید تو گوید از بہہ ماب </p>	<p> سرگشتہ دلاں آن نگاہند سرستہ عم تو حواہد اصحاب ہم در طلب تو بادہ لوتاں جمعی ریں تو در حرامات ایں گشت و شود ما تو دارد درد و تو لعل خود دانتش اورا چہ گم کہ سہ لوتت مست شرحتہ تو ی کجا خور و آب </p>
--	---

نہیں تو من تو ام ای محشم	چونکہ یکتا ی درین سوزن را
تو علی بودی علی را چون کسشم	

پس جانتا چاہئے کہ ہزار دلائل سے یہ بات مقرر ہے
 کہ وجود ایک ہے اور مانند آفتاب کے روشن ہے
 مگر بصورت بنیاد ظاہر ہوا ہے اور ہر دم اپنی تین
 ایک نئی لباس میں چھپاتا ہے۔ اور ظاہر ہوتا ہے
 پس اختلاف مل و مذاہب اس سبب سے ہے
 کہ ہر وجود میں ظہور بطور دیگر کیا ہے اور ہر جگہ اپنی
 تین نوع دیگر ظاہر کیا ہے اور اپنی صفت کی ہر
 پس یہ اختلاف میں یگانگی ہے اور سب حق ہیں
 اور جو کہہ کہ کوئی کہتا ہے سب راست ہے۔
 اگر حقیقت میں دیکھا جاوے تو سب ایک ہی ہے پس
 جانتا چاہئے کہ وجود بالقوہ کہ وجود ہے بالفعل ہی
 وہی ہے اور اس کی قوہ میں سوز بہت سے اشیاء
 ہیں کہ برآمد ہونگی۔ کیونکہ جو کچھ کہ ہے سب لہجہ حق
 تھا کہ اب ظاہر ہو گیا ہے اور حقیقت ہر شے میں
 ہزار لہجہ محفی ہیں کہ ظاہر ہونگے۔

شومی

کل عالم را سپردان می سپرد	کہ بود از علم خوبی با بشر
قطره اند دجلہ خوبی اوست	کمان می گنج دزدی ز بر لوین

حمد اس کے۔ اور اس کی تسبیح سے مراد رجو ع
 کرنا ہے طرف مہدا کی کیونکہ جو کہ تسبیح کرتا ہے
 اللہ مراد اس کی یہ ہوتی ہے کہ حق میرے اوپر
 کرم کرے میں یہ ذکر بدو کو اپنے رب کی طرف
 کہیتا ہے میں حمد عارت شکر سے ہے اور
 شکرانہ عارت اس سے ہے کہ منعم کی نعمت پر
 ہو کیونکہ نعمت پر رضا شکر ہی اور کے رضانا شکر ہے

بیت

میں پر نعمت حق ماسپاسی | اگر تو حق را مور حق تناسی

اور حمد مراد استقامت سے ہے اور ایسے حال
 کے۔ اور ہر انسان میں ایک صفت ہے اس جو
 کے صفات میں سے اگرچہ بیک بر طر جامع ہے مگر جس
 صفت پر کہ غالب ہوتا ہے اس پر حکم ہوتا ہے پس جو
 شخص کہ اس کی صفت میں بات کرتا ہے ہر ایک
 وہ اپنی صفت کرتا ہے اور ایسے کو بھیانتا ہے اور غیر
 خود کو نہیں جانتا عین وقت میں سوائی یہاں میں ایسے
 رب کو ایسے رب سے اسکے یہ معنی ہیں

مثنوی

آفت اکون تو ہی ایسے و آ | ایست گھائی دوس دریک را

کیونکہ عناصر اربعہ میں فقط نہیں ہے۔ اور داخل
 یہ بھی ہیں۔ لازم ہوا کہ تسبیح مراد اسم سے نہیں ہے
 اور اگر بواسطہ روح کے تسبیح ہو تو انسان حیوان
 جن اور ملائکہ یہ سب روح رکھتی ہیں تو یہی تسبیح
 ہوں نہ کہ دوسرے۔ اور علاوہ ان کے اشیاء دیگر
 بہت ہیں پس لازم ہوا کہ تسبیح روح سے بھی مراد
 نہیں ہے پس یہ اربعہ عناصر اور موالید شمس کس
 طرح ذکر کرتے ہیں اگر یہ کہا جاوے کہ ہم نہیں جانتے
 اور ہماری عقل وہاں تک نہیں پہنچتی تو معلوم
 ہوا کہ عقل نہیں رکھتی۔ کیونکہ حاصل عقل یہ ہے کہ
 کوئی چیز عقل سے باہر نہ ہو دے۔ پس اگر یہ معنی
 سمجھ میں نہیں آتے تو معلوم ہوا کہ تم حق کو نہیں
 جانتے اور اگر ہے تو عقل ناقص ہے کیونکہ عقل
 کل بدیع سمہ اشیاء ہے پس عقل کامل اشیاء کے
 اور ایک کرنے سے عاجز و جاہل نہیں رہتی ہے
 پس جب کہ عقل نہیں تو داخل انسان نہیں کیونکہ
 انسان مراد ذی عقول ہے پس ہر آئینہ بیوقوف
 کی بات قابل اعتبار نہیں ہے پس جانتا چاہیے
 کہ شے عبارت ہستی سے ہے اور لاشے مراد عدم
 سے ہے پس کہا کہ نہیں ہے اشیاء من سے کوئی
 چیز یعنی کوئی چیز نہیں ہے مگر وہ تسبیح کرتی ہے ساتھ

شوشی

اولاً شوشی کہ خلق مختلف
مختلفہ اسم جون پارہا الٹ
در حروف مختلف شور و شکیست
گرچہ از یک دو حیرت برپا کیست

پس اس جگہ ہر منظر شامسا ایا اور اپنے رب کا ہے
کہ رب اس کا وہی ہے۔ اور شے منظر اسم ہے پس
وہ اس رب کو تسبیح کر کے اسی صفت پر خدا کو
پہچانتا ہے کہ خود مربوط اس کا یہی مراد فی این
رب کی پہچانتا ہے اور بخزائے رب کے دوسری
کے رب شوشی پہچانتا۔ پس اس قیاس پر ہر شے
اس اسم کا تسبیح کرتی ہے کہ رب اس کا ہے اور
حقیقت میں رب و مرلوب ایک ہے اور یہ معنی
ہیں اس آیت کے کہ فَاِنَّ مِنْ شَيْءٍ عَالِمًا تَسْبِيحًا بِحَمْدِ
ہیں ہے کوئی شے مگر کہ اسکی تسبیح کرتی ہے اور
معنی تسبیح کے یہ ہیں کہ وہ شے خود بھی اس اسم کی ہے
پس دیکھنا چاہئے کہ اتنا بہت ہیں چنانچہ بعضی شے
اور بعضی چوٹی۔ حتیٰ کہ ایک درہ بھی شے ہے پس اشار
کس طرح اس کے ذکر میں رہتے ہیں اور تسبیح سے
کیا مراد ہے اگر تسبیح سے مراد کوئی ور کسی اسم
کا ہے مثل اللہ کے کہ انساں کی رباں سے نکلتا
ہے پس انساں ہی دا کر سوا تمام چیزیں کس طرح ذکر کرتے

حق اسجگہ ہے کہ وہ یہ صفات رکھتا ہو۔ جانتا چاہی
 کہ جس میں یہ صفات ہیں عین حق ہے۔ اور اگر یہ
 کہا جاوے کہ مثلاً ایک شخص حاکم ہے اور قادر ہے
 اور نہ صفت موصوف ہے تو گوئو وہ شخص عین ہستی ہے پس
 اگر وہ مر گیا تو کیا لازم آتا ہے کہ حق مر گیا تو جانتا چلا
 کہ وہ نہیں مرتا ہے اس صفت سے دوسرا پیدا ہو جاتا
 بلکہ جب تک کہ دوسرا پیدا نہیں ہوتا ہے ایک نہیں
 مرتا ہے۔ اور یہ موجود سے اسماء کے تام ہیں اور محال
 ہے کہ ایک صفت ہی اس وجود کی ذور ہووے ورنہ
 کل وجود بربہم ہو جاوے۔ پس جب تک کہ یہ وجود ہی
 یہ صفت اور صورت رکھتا ہی پس جانتا چاہے کہ اسم
 عین ہستی ہے۔ اور ہستی ایک جز ہے اور اسماء اسکی بہت ہیں

بیت

مشواحوال ہستی جزیکہ نیست | گرچہ این سہ اسماء مخفا دیم

دیگر

گنج بہان سمت زیر ہر طلسم | پیش عارف ہستی عین اسم

پس جانتا چاہے کہ وجود ایک ہے اور قیام اس
 وجود کا ایسی صورتوں کے ساتھ ہے کہ بظاہر مخالف
 یکدگر ہوں اور باطن میں ایک۔

کہنے میں اس کا نام رد و ثبوت ہے۔ اکثر جو کوئی آخر
 طلب کرتا ہے اجازت کرتے ہیں اس کا نام مجاہد
 اور جب کہ وجود ایک ہی اور اس میں اصلاح دینی
 نہیں ہے اس سبب حق کا نام احمق ہے اور جب کہ
 ہرے حد اگلا۔ ایک حسن و ایک قبح ہے حق کا نام
 واحد ہے اور جب کہ ہر حسن میں صد ہزار افراد ہیں
 حق کا نام فرد ہے۔ اور جب کہ ہر شے لطافت و رطوبت
 و صورت میں طاق سے نام حق کا وتر ہے اور جب کہ
 جو کچھ ہے سبب استہرا و باطل کچھ نہیں ہے اس سبب
 سے اس کا نام حق ہے۔ اور جب کہ یہ وجودناجی
 جمیع صفات کے ایک وجود ہے اور جامع جمیع صفات
 ہے اور تمام حویاں اس وجود میں ہیں۔ اسلی نام
 وجود کا اللہ ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اگر تمام اسماء کو آشکارا
 کروں تو یہ رسالہ دو سہا تیار ہو جاوے لہذا آحقصار
 کیا کہ عاقل کے واسطے اس قدر کافی ہے اور اسلم
 وقت رکھا گیا جب کہ منہی کو دیکھا اور کہا کہ یہ نام حق
 کا ہے اور یہ نہ کہا کہ فلاں چیز یہ صفت رکھتی ہے اور
 وہ حق ہے کیونکہ جو کہ اس کا طالب ہے وہ اس
 کی صفات کو ملاحظہ کرتا ہے اور جس میں کہ عیضت
 پاتا ہے جاتا ہے کہ وہ ہے ہر آئینہ نام حق اس سبب
 سے مختلف ہیں کہ ظہور است اس کے بہت ہیں نام

کریم و رحیم ہیں وہ علیم ہے سمیع ہے بصیر ہے متکلم ہے
 انسان میں بھی یہ صفت ہے۔ اس کا نام محیط اسی آسمان
 بھی محیط ہے اور وہ مفضل ہے بہت سے انسان
 گمراہ ہیں۔ وہ ہادی ہے اکثر انسان راہ نما اور
 ہادی ہیں وہ قابض ہے اور بہت سے آدمی بخیل
 ہیں وہ متکبر و جبار ہے اکثر انسان متکبر و جبار ہیں۔ وہ
 رزاق ہے اور اکثر انسان بھی قتیدہ پرور ہیں وہ
 صانع ہے اور قانع ہے انسان بھی اس جگہ صنعت
 کرتا ہے اور چیزیں بناتا ہے۔ وہ ستار و غفار ہے
 اور اکثر آدمی اپنے تہذون کے قصور معاف کرتے
 ہیں اور خطا چھپاتے ہیں۔ بعض اشیاء ظاہر ہیں اور
 بعض پنہان اس لئے وہ ظاہر و باطن ہے۔ اور جو
 چیز کہ یہاں وجود رکھتی ہے اس کی ابتدا ہی و انتہا
 بھی ہے اس لئے وہ اول و آخر ہے۔ اور اس
 وجود میں بالکل ابتدا و انتہا نہیں ہے اس لئے وہ
 ازلی وابدی ہے اور چونکہ لقینات میں تقدم و
 تاخر پایا جاتا ہے اس لئے اس کا نام مقدم و موخر
 ہے وہ جو ہر تمام قوا ہے اور عرصن اس کے ساتھ
 قائم ہے اس کا نام قیوم ہے۔ اکثر انسان حد اعتدال
 پر چلتے ہیں اس کا نام عادل ہے۔ بہت سے آدمی
 حکیم ہیں اور اس کا نام حکیم ہے بعض ایک دوسرے کی مدد

نام میں ہوا۔ دیکھا کہ اقا اس کو رخصت ہے، نام حق
 کو رہا۔ جب دیکھا کہ آگ قاض ہے یعنی سکو ایسی ہر
 کہنے ہے تمام حیدر کو جو کہ اس میں بیڑتی ہے۔
 ہیں بیڑتی ہے۔ پس نام حق قاض ہوا۔ اور
 سب دیکھا کہ باجیات محض ہے اور خود رہ رہے اور
 سہول کو حاکم دیتی ہے پس نام حق ہی ہوا۔
 اور جب دیکھا کہ آب ترہ کرے والا تمام موالید
 کا ہوا اور سب کا رہ رہے کہ یہ الٹے پس نام حق
 ہوا۔ اور جب دیکھا کہ خاک مردہ صنعت سے
 اور تمام مردوں اور مردوں کا اس پر مسکن ہے
 اور سب خاک میں مایہ ہیں پس نام حق ہمیت ہے۔
 اور جب دیکھا کہ انساں جامع ہے تمام حیدر و
 کا اور جو کہ ہے انساں کے آگے صبح ہے اور
 حیدر و اما ہے اور جو کہ عالم میں ہے آدم
 میں ہے۔ پس نام حق جامع ہے میں جاسا گیا ہے
 کہ تمام اسماء کی صورت ہے اور وہ اسم اس
 صورت اسم ہے کہ حق کو اس صورت کے ساتھ کارنا
 ہے چنانچہ نام حق قہار ہے ہر ایک نہایت سے آدھی
 ہیں۔ کہ قہار ہیں اور حق کا نام حواد ہے۔ اور
 سے آدمی سخی و حواد ہیں اس کا نام کریم
 و رحیم ہے آدمی سخی کریم و رحیم ہیں وہ

علیم اور فلک مر یح منظر اسم قادر اور فلک
 آفتاب منظر اسم نور اور فلک زیرہ منظر اسم حضو
 اور فلک عطار و منظر اسم مخفی اور فلک شتم منظر اسم
 بسین اور آتش منظر اسم قابضی اور باد منظر اسم محی اور
 پانی منظر اسم محی ہے اور خاک منظر اسم میت اور
 نبات منظر اسم رزاق اور حق منظر اسم لطیف اور حیوان
 منظر اسم مفضل اور ملک منظر اسم قوی اور انسان
 منظر اسم جامع ہے اسی طرح سے ہر شخص ایک صفت
 اسی کہتا ہے اور حقیقت میں وہی ہے۔ پس جانا چاہئے
 کہ یہ تمام نام حق کے کہ ایک ہزار اور ایک ہیں۔ یہ کس
 واسطی ہیں اور ان ناموں کو خدا نے اپنے اوپر آپ
 رکھا ہے کہ خود ہی نام ہے اور خود ہی ذات ہے جب دیکھا
 کہ یہ وجود ایک ہی اور اس کی صفت اور صورت تین بے
 شمار ہیں اور اس وجود کو بجز اس کے نامہائے بیشمار کے
 نہیں پہچان سکتی جب دیکھا کہ عقل کل تو پیدا کر نیوالی
 چیزوں کی ہے اور اس میں قابلیت بہت سے
 ہیں۔ پس اس کا نام بدیع ہوا۔ کہا کہ حق بقائے بدیع
 ہے۔ چونکہ ابتدا میں نفس کل میں صفت پیدا
 کرنے کے بعد از موت پائے جاتی ہے یعنی
 بعثت کی۔ پس اس کا نام باعث ہوا۔ جب
 دیکھا کہ مہر و روشن اور مبین ہے پس حق کا

بہر ہمتا و دولت کمیت او	تحت شاہان تختہ بندی میں
یارسی گوگرچہ تازی خوشترست	عشق را خود مد زمان دیگرست
لوی آل و بر جویشان می شود	آن زمان با حیران می شود

اب حاشا چاہئے کہ حقیقت اختلاف کی یہ ہے۔ کہ وجود ایک ہی اور اس کی حد و نہایت نہیں ہے۔ اور کسی نے اسکی کہنے کو بہین جانا کیونکہ یہ وجود بے حد و نہایت ہے۔

بیت

استحقاق اس محکم برودام | صد قیامت گذر و آن نام تمام
 اور اس کے بلورات حد شمار ہی ماہرین او۔ ہر بلور میں ایک عالم یہاں
 ہے۔ اور دریا می مواج ہوا گنج بھی ہے اور کسی نے اس دریا
 کی گہرائی کو نہیں دیکھا ہے۔ اور اس گنج بھی کو کسی نے عیاں
 نہیں کیا ہے۔ جس طرح کہ یہاں تھا اس طرح ہے اور کسی
 نے تمام اس وجود کی سیر نہیں کی۔ جو کہ ہے صرف
 اس کے اسم میں سے کسی اجزا کی حقیقت جروی
 کو عانتا ہے۔ کا حقہ کہ ملی نہیں جانتا۔ مگر ہر شخص اتنا
 جانتا ہے کہ وہ اس کا رب ہے اور ہر شے فی الحقیقت
 اس کی اسعاد کی منظر ہے جیسا کہ عرش مطہر اسم
 محیط ہے۔ اور کرسی مطہر اسم شکور اور ملک
 الزحل مطہر اسم رب اور ملک مستر می مطہر اسم

نویا فنی کار ہوتا ہے اور اگر دوزخ میں اس طرح ہے کہ بالاند کو رہو می
 تو پھر اختلاف مذاہب کیا چیز ہے چاہئے تھا کہ سب کا ایک اعتقاد ہوتا
 اور کیوں بہشت اور دوزخ کو اس طرح فرمایا۔ جب کہ یہ بات ہے
 تو اجمال ہے کہ کافر بھی بہشتی ہوں کیوں کہ وہ بھی آدمی ہیں
 اور عمدہ عادات رکھتی ہیں۔ مگر یہ قول حق کے خلاف ہے۔
 کیونکہ کافر دوزخ میں رہیں گے۔

جواب چوتھا۔ اختلاف مذاہب اور ملل اصل حقیقت
 میں ہے۔ کیونکہ ہر مذہب میں بروجہ مناسب اثبات حق ہے
 اور سب موافق اپنا اصول معرفت کے اس کو پہچان دیتے ہیں اور
 اثبات حق کرتے ہیں۔ ہر آئینہ یہ تمام ملت اور مذاہبوں میں پایا جاتا
 ہے۔ کیونکہ خواہ اوصاف کمال یا اوصاف نقصان خدا کی سب
 تعریف کرتے ہیں۔ اور سب اللہ کو معبود جانتے ہیں اور کوئی
 ایسا سر نہیں ہے کہ اس خیال سے خالی ہو۔ اور سب کا مطلق
 وہی ہے اس اعتبار سے کسی اصل مذہب اولت میں
 تفاوت نہیں ہے سب موافق اور ایک دین میں۔ مگر عاشقوں
 کا مذہب یہ ہے کہ تجھ حق کے کسی کو موجو نہیں
 بناتے ہیں جیسا کہ گہا کیا۔

مثنوی

عاشقانِ زادِ سببِ ولادتِ صغیریت

مذہبِ عشقِ از ہمہ دین ہا جداست

دید ہا کور و جهان بر آفتاب
 حملے ترمی شود و لے گلہ
 گرد از دریای رار ایگمتی
 یک زبان بر جوشن آشفتمی
 جملگی مومن شدند و لی گمان
 گویند کہ واللہ اعلم بالصواب

کس کم چوں پیچ کس نیست تاب
 کس کم چوں کس ندارد حوصلہ
 نیست دستور می و گرنہ یحیی
 نیست دستور می و گرنہ گھمتی
 پیچ کس کا فرماند ادر جهان
 کس کم دلیر درآمد در خطاب

ہیں جب کہ معلوم ہو گیا کہ حقیقت قیامت و بہشت
 و دوزخ کے اور عقاب و ثواب کے کیا ہے اور
 کس طرح ہے دانش عقلی تمام ہوتی اس سے
 زیادہ نہیں ہو سکتا کہ رد کثرات اور اثبات واحد کیا

بیت

جو ممکن گردا مکان بر فنا نہ
 بجز واجب و گرنہ خبری نہاید
 سوال جو تھا۔ جب کہ وجود کی حقیقت اس طرح
 ہے تو یہ اعتقاد تمام دانشمندان کے خلاف ہی
 اور تمام مذہب کے لوگ آپس میں اس بات پر حیران
 ہیں کہ یہ کیا اعتقاد ہے کہ این میں رو ہے کثرت کا
 اثبات ہے وجود کا۔ اور خلاف ہے تمام مذہب
 اور ملت کا۔ لیکن کو کسی مذہب کو ہم حق حائیں ہاں کو
 بالکل۔ اور یہ محال ہے کہ سب حق پر ہوں کیونکہ
 ایک کی ایک تردید کرتا ہے اگر ایک کو قبول کریں

نشوی

چون رسیدم مست دیدار آمد کم
 داد جان چون پیش ناله را بدید
 فرحت او شد جمال باغبان
 آبخوان از رخ یوسف بدید
 آتش دید او که از آتش ترست
 بردش آن جبین بچشم آسمان
 دید دیواری و حیران شد شتاب
 بنجرکان مجلس خورشید سهارت
 دید دیواری سیه مانده بحباب
 سایه کے گرد دور اسرما یل
 مرغ حیران گشت بر شاخ خجرت
 انیسنت نادرست پوشیده عجب
 خار بخور خار پوسته گل سرت

ما بدینجا بہر دیدار آمدیم
 بہر نان شخصی سوی نان او دید
 بہر فرحت شدیکے با گلستان
 بہر اعرابی کہ آب از کپشید
 رفت موسی کا شتر آرد بدست
 جنت عیسی تار مد از دشمنان
 بہر ان ابلہ کہ تاب آفتاب
 عاشق دیوار شد کہ این باغیا
 چون باصل خویش پیوست آن صیا
 بہر صیادی کہ گیر و سایہ
 سایہ مرغی گرفتہ مرد سخت
 کہین مرقعہ ہر کہ می خند و عجب
 گر تو گوی جز دیوستہ کل نہت

پس جانتا چاہئے کہ اس سے زیادہ واضح ہم نہیں کہہ سکتے

نشوی

بس جگر با گرد و انداز خون
 در گویم پس جگر با خون کند
 خود جگر چه بود کہ خار خون شود

گر گویم آنچه درم در درون
 گر تو نسیم بس قلم با بشکند
 بس کتم گر این سخن افزون شود

پر آگاہ ہو گئے کہ کیا ہے اور کیا تھی۔ بعض نے ترس
 و دوزخ سے ترک دنیا کر کے خاندہ اختیار کیا اور بعض
 نے نامید راحت عقبی کے عیش ترک کیا ہر آئینہ تمام
 عالم اس حجاب سے پردہ میں ہے۔ شیخ احمد عراقی
 فرماتا ہے کہ یہاں ہی کہا مایینا ہے اور اسبکہ ہی کہا
 میا ہے۔ حاشا میں یہ نہیں چاہتا۔ یہاں ہی محبت
 اور وہاں ہی محبت جفت کہ میں ایسے وہم میں گرفتار
 ہوں اور نقد گو چوڑ کر ادھار پر مٹیہ رسون۔ اگر ان
 کو ملوہ ذات نظر آ جاوے تو معلوم ہو کہ بہشت و
 دوزخ کیا وہم ہے۔ اور معلوم ہو جاوے کہ ان
 کو عشق سایہ کا ہے نہ کہ شخص کا اس کو جیسی برہار
 افسوس آگاہ ہوتا چاہئے اور خواب عجات سو بیدار
 ہونا چاہئے کہ یہ دوام و دانہ ہے تاکہ ہم سب گرفتار
 حق ہو جاویں۔ اگر یہ پہونے تو کوئی گرفتار حق
 ہوتا۔ اور نہ اسکی طلب کرتا اور نہ معقد پر ہو جاتا
 استدائین واسطہ بہشت و دوزخ اس کے گرفتار
 ہوئے اور حسب طلب کمال پر پہونچے دوزخ اور
 بہشت کو و اموشن کر دیا۔ اور اول کا وجود
 یہاں ہو گیا اور دل خدا کے ساتھ مل گیا۔ اور
 ہستی طالب خدا ہو گئی کیونکہ سب وہی ہے۔ کہا
 قیال مولانا ہے۔

حق را بائید و ہم خوانی || سہانت باشتان پرمانی

ہر آئینہ جانتا چاہے کہ تمام آدمی خدا کو بواسطہ دوزخ
 بہشت پوچھتے ہیں اگر دوزخ کا خوف اور بہشت کی
 امید ہوتی تو کوئی خدا کو نہ پوچھتا اور بندگی کا شوق
 نہ ہوتا۔ جب دیکھا کہ روح گرفتار جسم ہو کر عاشق
 ہوئی اور مبتلا کہانے اور شہوت کی ہوئی اور نہیں
 چاہتے کہ وجود کو گزند پہنچے چاہتے ہیں کہ ہمیشہ سلامت
 رہے ہر آئینہ یہ سب حجاب اسکے ہو گئے ہیں اور اپنی
 اصلی صفا سے یاز رہے۔ پس دیکھا کہ وہ عروج
 نہیں کر سکتی مگر جب تک کہ ان تمام صفات سے
 گذر جاوے۔ پس وعدہ کیا کہ بہشت میں عمدہ
 عمدہ کہانے اور میوے عمدہ اور حوران محبوب
 بہت ہیں جو کہ دنیا میں ان خواہشوں کو ترک
 کرے گا انکو بہشت میں اس قدر ہم عطا کرینگے معلوم
 ہے کہ حیات دنیا چند روز ہے اور حیات آخرت
 ابدی ہے۔ اور دنیا کی زندگی میں خدا کو پہچان
 سکتی ہیں اور جو دنیا میں شہوت و لذت میں گرفتار
 ہو جاوے گا وجود کی حقیقت کو نہ پہچائیگا۔ پس دنیا
 کی خواہشوں کو بائید رخصت آخرت ترک کیا
 اور سب مشاغلہ میں مشغول ہوئے حقیقت معلوم
 کی کہ کیا ہے اور خاموش ہو گئے اور حقیقت

نہ خدا کو نہ رسول کو نہ یا تو میرے سوال کا جواب دو
 ورنہ جو کچھ میں کہتا ہوں قبول کرنا چاہئے۔ کہہ کر اس
 وجود کی حقیقت کو ہی بہت سمجھ سکتا ہے مگر اس عتاب
 سے کہہ سکیں ہیں۔ لے نیاں لگی ہے کہ وجود ایک ہے
 اور ایک سے زیادہ نہیں ہے۔ سمجھو دوست۔ دوسرے
 بہت مصلحت کی بات ہے۔ اور اگر نہیں تو ایسی وجود
 میں میں۔ اور اس وجود کی صفات میں سے ایک
 صفت ہیں۔ اور حقیقت اس وجود کی ایسی ہی
 واقع ہوئی ہے۔ اور بات وہی ہے کہ اوپر سے
 ساری کی گئی ہے۔ اور اس کی حقیقت معلوم نہیں
 ہو سکتی مگر اسی روتس سے کہ یہ وجود قائم نہ یکدم کرے
 اور جو کچھ ہے عین اس وجود کا ہے اور سوا اس کی
 اس وجود میں کچھ ہو وہ نہیں ہے۔ ورنہ ہر وقت
 حجاب راہ سالک ہے۔

مثنوی

ماہست و دورحت در ہلود گر تراستعول غلد و حور کرد حق لقاے گفت باد او پاک کہ نہ دورح نہ ہست استی ہر اس چو استحقاق دارم آن طہر	جاں تو ریں رار کے باگہ لود تو یقین میں ات رطویت دور مد گاہم را لگو استخاک سدی گردن نہ رشتی ترا چوں یزید سیدم باں امید و ہم
--	--

گنہگار ہے تو دوزخ میں جاوی گا اور کچھ اس کی
حکمت سے آگاہ نہیں ہے کہ ایسا کیوں ہوا اور نہ
اس سے تو پوچھ سکتا ہے اور نہ وہ تیرے سامنے ہے
کہ تو اس کی عبادت کرے اور نہ تو جانتا ہے کہ
وہ کہاں ہے اور کس ذات کی عبادت کرتا ہے
پس بیان کرو اسے منکر عقائد و روایات پاک
نفس کہ تو نے کونسا علم پڑھا ہے اور کیا معرفت حاصل
کی ہے اور اپنے تئیں عالم و دانشمند گردانتا ہے
اور نہ کچھ علم کی خبر ہے نہ دانش کا اثر کیونکہ دانش
کی چیزیں یہ ہیں کہ جو میں نے دریافت کی ہیں۔ اور تو
نے سنو زبیر علم حرص و نقل میراث جد و غیرہ کے افسوس
صد افسوس کہ کچھ بھی نہ حاصل کیا۔ ابھی کنارے
پر ہے اور اپنے اوپر تجھے خندہ نہیں آتا ہے اپنی
دانش کو پیردہ بنا رکھا ہے۔

بیت

دست خود از ریش خود کوہ کن ریش خود دستار خوان اہ کن
بیان پر ریش مراد سستی سے ہے پس جو کچھ کہ ہم
کہا ہے اس میں فکر کرے چاہئے۔ کہ کیا معاملہ ہے
اور کیا حکمت ہے۔ اور اس اعتبار سے کہ تمہارا
خیال ہے نہ تم نے دوزخ کو جانا اور نہ جنت کو اور

یا نہیں۔ اگر واقعہ ہو تو اسکا جواب دو ورنہ اقرار
 کرو جو کچھ کہ ہم کہتی ہیں۔ کہ ہستی تمام کی حق کے لئے
 ہے اور کھر حق کوئی موجود نہیں ہے۔ اور وہ خود
 بصورت اسیا ہے اور اگر یہ اعتقاد ہیں ہے تو یہ
 ہمارے سوالوں کے جواب دو کہ ان سب کے کیا
 معنی۔ اور اگر یہ کہا جاوے کہ ہم حکمت خدا سے
 اگاہ ہیں ہیں اور نہ یہ طاقت ہے کہ اس کے کام
 چوں و چرا کریں کیوں کہ اسی فرمایا ہے کہ کیا ل
 عَمَّا يَفْعَلُ۔ یعنی اس کے فعل سے سوال نہیں کیا
 جاتا۔ ہم اس کی حکمت سے واقف نہیں ہیں۔ حکمت
 اس کی وہ جاں سکتا ہے کہ حکلی صورت ہو نہ شکل
 نہ جون نہ جگو نہ نہ مادہ نہ نشان نہ جو مقول ہے نہ محسوس
 نہ سماں میں ہے نہ زمین نہ عرش میں نہ کسی نہ ہوا
 میں نہ دریا نہ آگ میں نہ خاک میں نہ دور میں نہ حسب
 میں نہ تحت میں نہ فوق عرش میں نہ اس کے جسم
 نہ مثال اور تمام کیفیت سے مرہ اور مادہ اس کی
 مکاں اسکا معلوم نہیں کہ کہاں ہے بلکہ اصلا مکاں
 نہیں رکھتا ہے۔ اور کس طرح تجھ سے نزدیک کہتا
 ہے۔ اور وہ تجھ کو دیکھتا ہے اور تو اسکو نہیں دیکھتا
 ہے۔ اور تو نہیں جانتا ہے کہ وہ کس طرح تجھ کو دیکھتا ہے
 اور وہ کیا کرتا ہے اور فاعل مطلق وہی ہے اور تو

اس کی خواہش یہ تھی کہ انسان عارف بحق ہو جاوے
 اور حبیب البلیس نے گمراہ کر دیا خواہش حق کو روک دیا
 ہو اس سے لازم آتا ہے کہ شیطان خدا پر غالب ہے
 کیونکہ کسی کی خواہش کو بلا غلبہ کے کوئی رو نہیں کر سکتا
 اگر خدا غالب ہوتا تو اس کی خواہش ہوتی اور حبیب
 اس کی خواہش ہوتی تو لازم آیا کہ مغلوب سے اور یہ
 محال ہے کہ بندہ خواجہ پر غالب ہو جاوے پس کس واسطے
 البلیس نے انسان کو گمراہ کیا کیونکہ وہ مخلوق خدا ہے
 اور انسان کو محض اپنی شناخت کے واسطے پیدا کیا
 ہے پس کس طرح البلیس رو کر سکتا ہے پس اس
 سے یہ لازم آتا ہے کہ یا تو خدا کو عاجز جالو یا شیطان
 کو۔ اور فاعل مطلق حق کو جالو اور جو کلام کہ ہے اسکا
 جالو۔ اور جو بات کہ ہے اسکی بات جالو۔ اور
 جو صورت کہ ہے اسکی صورت جالو۔ اور بحر اس
 کے کسی کو موجود نہ جالو۔ اور حبیب کہ اسی مجاہد فاعل
 مطلق وہی ہے تو پھر اس حکیم سوال و جواب
 بہشت و دوزخ کیا ہیں اگر یہ کہا جاوے کہ ہم فرمودہ
 خدا بیان کرتے ہیں کہ تو یہ ہم کو بھی معلوم ہے کہ گفتہ خدا
 ایسا ہے مگر ہم دریافت کرتے ہیں کہ ان اشیاء سے
 ہم واقف ہو کہ نہیں۔ اور اسکے معنی تمہارا ہی سمجھ
 میں آئے یا نہیں۔ اور اسکی حکمت سے واقف ہو

خواجہ کا مال ہے اور لی بی خواجہ کی اس پر حرام
 ہے اور خصوصاً خط خواجہ کے واسطے ہے۔ اور جب کہ
 رن خواجہ غلام کے پاس ہے تو اس کو خواجہ کے ساتھ
 برگہ میل ہوگا اور اگر خواجہ روادار اس امر کا ہے
 تو اس سے خواجہ کی طاقت ظاہر ہوتی ہے۔ پس ایسی
 طرح سے بنانا چاہئے کہ شیطان بھی خدا کا بندہ ہے
 اور انسان بھی خدا کا بندہ ہے انسان کو خاص ایندو
 بنایا ہے اور فرمایا ہے مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا
 لِيَعْبُدُونِ اِیٰ ہٰی بَعِثْ قُوْن۔ یعنی نہیں پیدا کیا میں
 نے جس او انسان کو مگر اس لئے کہ عبادت کریں
 یعنی معرفت حاصل کریں پس جب کہ انسان کو محض
 واسطے عبادت اور ایسی شاحت کے بنایا تھا تو ہر تہلیل
 آدمی کو کیوں گمراہ کرتا ہے اور منہوت ولدت و حرمت
 و ہوا و غضب کی زنجیر دیتا ہے۔ پس انسان جگہ
 دنیا میں مشغول ہو گیا۔ اور ایں حیرتوں میں گرفتار
 ہوا پر آئینہ معرفت حق سے مار رہا اور اس طرح سے
 مقصود حق کا حاصل نہیں ہوتا ہے کیونکہ انسان سے
 مقصود حق معرفت تھی اور جب کہ شیطان نے گمراہ
 کیا تو انسان معرفت سے مار رہا۔ اور غیر خدا کے ساتھ
 مشغول ہو گیا تو ایسا ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ضد
 کی اور اس میں حکم اور خواہش کو رد کر دیا کیونکہ

کیونکہ سب اس کا کام ہے۔ جیسا کہ کہا گیا۔

رباعی

مساد ازل چودانہ در دام نہاد
مرغی بگرفت دادش نام نہاد
سرنیک و بدے کہ میرود در عالم
خود میکند و بہانہ بر عام نہاد

اور اگر یہ کہا جاوے کہ شیطان کی بدی آدمی تھی
ذات میں رکھتا ہے اور اس کے کہنی اور خواہش
کے موافق انسان بدی کرتا ہے۔ تو اس سے لازم
آتا ہے کہ شیطان شریک خدا تعالیٰ ہے کہ اس کا
ارادہ بھی خدا کے ملک میں ظاہر ہوتا ہے کیونکہ
کہ جب کہ شیطان چاہتا ہے کہ کوئی کام عالم میں کر
تو خدا اس کام سے عالم ہے یا نہیں۔ پس یہ کام خدا
کے علم سے واقعہ ہے ہر آئینہ حق اس سے راہی
ہے۔ اور اس کی ایسی مثال ہے کہ مثلاً ایک خواجہ
ہے کہ اسکا ایک لڑکر ہے اور وہ لڑکر خواجہ کی بی بی
کو یا اس کے لڑکوں کو گمراہ کرتا ہے۔ یا اس کی
بی بی کے ساتھ نہا کرتا ہے اور خواجہ اس کام سے
عالم ہے اور دیکھ رہا ہے اور خواجہ کو قدرت ہے کہ
کہ زن کو مار سکتا ہے یا غلام کو مار سکتا ہے اور باوجود
علم و قدرت کے کچھ نہیں کہتا ہے۔ تو پھر اس خواجہ
کو دیوث کہیں یا بے حمیت یا بے عزت۔ اور غلام

اکو رزق اور عقل کوں دیتا ہے اور جب وہ کریم
 ہے تو پھر سب کو برابر حصہ کیوں نہ دیا۔ اور مجھ کو
 اں باتوں کی قوت کس نے دی اگر اُس نے دی تو
 حکمت ہے اور اگر اس نے نہیں دی تو کیا پتہ پتا
 دے۔ تو اس وقت خدا دیکھتا تھا یا نہ دیکھتا تھا۔ اگر دیکھتا
 تھا تو اس نے کیوں رہا کیا کہ اس کے خلاف مرضی
 مات کروں کوں کہ جس خیر میں کہ فنا سے خدا
 نہیں ہوتی ہے ہرگز موجود نہیں ہوتی ہے اور جب
 کہ اس کی رضا سے کہا تو پھر آئینہ اس نے کہا۔ کیوں
 کہ مجھے رہاں اور ہاتھ اور جسم و حیات کس نے دیا
 اگر اس نے دی تو ہاتھ سے لگتا ہوں اور آنکھ سے
 دیکھتا ہوں جان سے زندہ ہوں پس اگر یہ جیسے مجھ
 میں ہوتی تو ہرگز لکھا میسر نہ آتا۔ اور اگر خدا اس
 بات پر کہ میں نے لکھی ہے۔ راضی ہوتا تو ہرگز مجھے
 اس کے لکھی کی توقع نہ دیتا۔ اور دل سے محو کر دیتا
 پس مقرر ہوا کہ حق اس بات سے عالم ہے اور
 راضی ہے اور جس چیز میں کہ وہ راضی نہیں ہوتا
 ہرگز موجود نہیں ہوتی ہے۔ جو کچھ موجود ہے وہ راضی
 خدا ہے پس جو کچھ ہے خود کرتا ہے یہ بھی کہ ایک ہی
 خلق پر بہا نہ ہے اور بد کیا ہے جو کچھ ہے سب
 یک ہے اور بد کا سوا سے نام کے کچھ وجود نہیں ہے

تھا کہ گمراہ ہو جاتی۔ اور نبی کی کوئی ضرورت نہ تھی
 اور خود اس نے خلقت کو اپنی شناخت کے واسطے
 پیدا کیا تھا پھر سب کو عارف کیوں نہ بنایا۔ اور وہ
 کہاں ہے کس لئے غایب ہے۔ اور بچوں اور
 بچوں نہ کس لئے ہے اور جب اسمین قدرت تھو کہ کافروں
 کو کیوں چوڑا کہ کفر میں پہنچے رہے اگر کہا جاویں
 کہ دوزخ پر کر کے واسطے تو اسکو کیا حاجت تھی کہ دوزخ
 اور بہشت کو پڑ کرے۔ اور خدا کو خلقت کے سامنے
 حاجت ہے یا نہیں۔ اگر حاجت ہے تو زندہ کو مردہ
 بناتا ہے اور اگر حاجت نہیں ہے تو پھر کیوں بنایا ہے
 اور کس طرح خدا تمام عالم ہے اور ایک وقت
 میں تمام عالم سے کس طرح خبردار ہے اور کس لئے
 آدمی کو محتاج آب و نان پیدا کیا کہ سب اس سے
 غافل ہو گئے اور کس لئے آدمی کو قدرت نہیں ہے
 کہ تمام آسمانوں کو آشکارا دیکھے۔ اور زمین کو نیچے
 نگاہ کرے۔ اور آسمان کس لئے گردش کرتا ہے اور
 اور زمین کس لئے ساکن ہے اور یہ روز و شب
 آفتاب و مہتاب کس لئے ہے اور خواب و بیداری
 کیا ہے۔ اور مرد کے لڑکیوں نہیں پیدا ہوتا اور عورت
 دودہ کیوں دیتی ہے۔ اور لطف ایک ہی ہے پھر
 کبھی لڑکا اور کبھی لڑکی کیوں پیدا ہوتی ہے۔ اور

لئے تو اب اور ایک کے لئے عذاب رکھا۔ جبکہ دونوں
 کو اسی نے پیدا کیا ہے۔ اور اہلیس نے کس کے
 بندگی کیا اور ملعون ہو گیا اور آدم نے گناہ کیا اور
 مقبول ہوا۔ اہلیس کو شیطان کس مایا آدم کو شہوت
 کس دمی۔ اور ہوا و حرص کس نے پیدا کی۔ اور
 ہر سوال و جواب کس کے ساتھ ہو گا۔ اور اگر سوال
 کریو الا ہمارے حال سے جا مل ہے تو خدا کے لائق
 بہین اور اگر عالم ہے تو سوال کے حاجت نہیں جسکو
 لائق جانتا دیا کرتا کون تھا کہ اسکو مع کر سکو۔
 کیونکہ اب بھی کوئی فقیر نہ کوئی امیر ہے کوئی
 تندرست ہے کوئی بیمار ہے مگر کوئی خدا سے نہیں
 لڑتا ہے اور نہ طعنہ دیتا ہے کہ خدا نے اسکو کیوں
 ایسا مایا۔ پس اسوقت بھی اگر صدمیت ہوتی تو
 کوئی اس سے پوچھتا اور اگر وہ سیکی سے راضی
 تھا اور بدی سے ناخوش تو پھر کس لئے شہوت
 کو پیدا کیا کہ اس سے انسان نے گناہ کیا۔ اور
 اور کافرون کو اس نے ایسا دیا اور ملعون
 کو کیوں دیا اور وہ خود کیوں تک ہے نہیں ہیں
 ہے۔ اور اس نے شیطان کو خود کیوں پیدا
 کیا اس کی کیا حاجت تھی کیا خلقت سے غافل
 ہو گیا تھا پہلی ہی سے خلقت کو چھوڑا نہیں چلا

این اشارت ہارت کویم از قول
ہم چنین می گفت مرمت خراب
گفت بدین درکش کہ اسب گرم شد
اسبتہ تو چیست بیرون از غلاف

لیک میترسم نہ آزار رسول
داو پیغمبر گریبا نشن تباب
عکس حق لایستجی او شرم شد
آئینہ و مینا آن کجا گوید خلاف

پس اگر حقیقت و دوزخ و بہشت کی یہ نہوتی تو لازم
تہا کہ قیامت کا زمانہ مقرر ہوتا اگر سب کو اظہار کروں
تو فساد ہوگا۔ فرض کیا کہ علم قیامت کا خدا کے پاس
ہے تو پھر خدا نے کیوں نہ کہا اس میں کیا حکمت تھی کہ
پوشیدہ رکھا گیا آدمیوں کا خوف تھا پھر کیوں نہ ظاہر میں
پیدا کیا کہ سب لوگ دہشت اور امید و ترس ہوتا۔
تو کیا خدا عاجز تھا۔ معاذ اللہ۔ خدا قادر مطلق ہے۔
اور کیا حکمت تھی کہ خدا نے انبیاء کو بھیجا اور خود
حاضر نہ ہوا اور نہ کہا کہ میں نے تم کو پیدا کیا
اور اس میں کیا حکمت تھی کہ تمام کی فنا لازم کی
اور وعدہ قیامت کا کیا اور اگر ہم کو اسنی بھان نے
کے واسطے پیدا کیا ہے تو پھر موت کس واسطے دی
اور کس واسطے کافروں کے واسطے دوزخ اور
بہشت نیکوں کے واسطے ہے اور اگر یہ کہا جاوی
کہ مومن ایمان دار ہوتا ہے اور کافر بے ایمان اور
تو مومن کو ایمان اور کافر کو کفر کس نے دیا اور
بہشت و دوزخ کیوں پیدا کی۔ اور کسٹری ایک کے

اگر لود زنگی بر ندش زنگیان
 تا تراداد شکلات عالم است
 او مگر نیطر نور الله لود
 اصل آلی الله اسفیدست و نور
 سید بد رنگ احسن التقویم را
 یوم تبین و نشود و جو ۶۰
 در رحم پیدا نه گردد و ترک
 حمل را چون روز روستا خیر من
 من مگویم یا مرد بیند نفس
 باز گفتا مگر مگویم سحر حه
 بل مرا تاییده بار ابر درم
 تا کسوف آید من خورشید را
 و اکشایم بهفت سوراخ لفاق
 و اسمایم من یلاس استقیا
 و دوسخ و جبات سر زخ در میان
 و انمایم خوش کوتر را خوش
 و ال کسان که تشه بر گردش میزید
 می ساید دست ستان دوش من
 ال دست پیش چشم ز اختیار
 دست یکه بگیرد یارات می کند
 اگر ستد این گویم را یک آه آد

روم را روی برسد هم میان
 آنکه ناراده شناسد اولم است
 کاندرون یوستا و رده لود
 یک عکس جان و می و چشم
 تا اسفل می نزد آن نیم را
 ترک بند و شهر گرد دانی هر گز
 چونکه زاید بیدش زار و ترک
 قاش می تنم عیالی روز و زن
 لب گزیدش مخطیحاتش لیس
 در جهان پیدا کنم امروز شد
 تا چو خورشید بتابد گوهرم
 تا ایم کل را و پیدا -
 در ضیای ماه و حصف و محاق
 نشاء انم کوس و طبل انیا
 میش جتیم کافران آرم عیالی
 کانه لوستان ندانمش مجوش
 یک یک را و اسمایم تا کنید
 لعنم ستان میرسد در کوس من
 در کتیده یکدگر را در کنار
 و لباس نیم نوسه عارت می کند
 از خنیر و لغره و اجسر نا

جسکو قابلیت فطرتی حاصل ہو۔

نشوی

گفت پیغمبر عباسی زید را
گفت عبدالمومن بازاو تر گفت
گفته نشسته بوده ام من روز با
ناز و روز و شب جدا کردم چنان
که از ان سو جلد ملت یکیت
ہست ازل او ابد را اتحاد
گفت ازین رہ کوڑہ اوردی بیا
گفت خلقان چون ببیند آسمان
ہشت جنت ہفت دوزخ ہش من
یک بیک و ای مقام خلق را
کہ بہشتی کہست و بکائناتی
این زمان پیدا شدہ برایں کردہ
پیش ازین ہر انسان مرغوب تو
الشیء من شیء فی بطن اقر
تن چو اور غفل جان را حالہ
جلد جاہلای گر شود منظمہ
تکیان گرید خود از استاد
چون بیاید در جہان جان وجود

کیف اصبحبت ای رفیق با صفا
کو نشان از باغ ایمان کوش گفت
شب مخفتم من ز عشق و سوز با
کہ ز اسپر بگذرد انوک سنان
صد ہزاران سال یک ساعت یکیت
عقل را رہ نیست سوئی افتقاد
در خود فہم بقول ابن دمار
من بیتیم عرش را با ہر نشان
ست پیدا ہجوت پیش تمن
ہیچو گندم من ز جو زرا سببا
پیش من پیدا ہجو رہا ہما است
یونہی من شقی فی شقی فی جوی
در رحم بود و در خلقان عیب بود
حن نجات اللہ یعرف حالہ
مرگ درد زادت و زلزلہ
تا چگونہ راز آید این عالم بطر
رومیان گویند بس ریاست او
پس مانند اختلاف سیض و سود

کرتے ہیں کہ۔ ورنہ ایک جگہ کا نام ہے ہر ملت اس سال
 کی حاصیت کا نام ہے۔ ورنہ دورح اور حدت کا
 مقام ہیں اور اگر یہ کہا جاتا کہ تمام عمل اور افعال کی
 حاصیت ہیں کہ وجود میں پھرتی ہیں اور جو کچھ سے سکون
 مر کر یہ کہیں پھرتی ہیں۔ یس کوئی تعین کرتا۔ اسلئے کہا گیا
 کہ تم سے حساب لیا جاوے گا اور ابیالی اس امر پر دلیل
 و حجت قائم کی اور قسم کھائی کہ اللہ تعالیٰ اس طرح
 فرماتا ہے ہر آئینہ یہ کہا راست تھا کیونکہ خود وہی تھا۔
 اور سحر ات دکھلائے کہ ایسا ہی تعین کرو کہ کون ایسا ہے
 کہ اس کو کر سکے اسی ایک شے قائم کی ہے کہ ہمیشہ
 تک رہیگی اور رہے کو ابیں راہ ہیں اور اس وجود
 کی مصلحت دریافت کر کے جس رشتہ میں کہ اس
 کی صلاح تھی کام فرمایا اور شریعت میں جو کچھ امر و
 نہی کیا ہے وہ سب رقی ہے۔ مگر نہ اسطورہ کہ جیسا تو
 نے سمجھا۔ اگر یہ کہا جاوے کہ اوہوں نے درود کہا
 تو جواب اسکا یہ ہے کہ درود اور راست کی لبیب
 تو ہمارے تمہارے ساتھ ہے جبکہ وہ حق ہے
 اور خلق میں وہی ہے تو یس درود کس لئے ہے۔ اسی
 سب سے کہا گیا ہے کہ درود مصلحت امیر راستی
 فقہ انگیر سے بہتر ہے ہر آئینہ یہ درود نہیں ہے بلکہ راست
 ہے مگر یہ بات سچ و تاب میں کوئی سمجھ نہیں سکتا بخرا اس کے

بعضے میں اغراط و تقریط پائی جاتی ہیں سے کیونکہ شخص
 کے لئے یہ محال نظر آتا ہے کہ حقیقت اشیا تو کما ہی آدمی
 اور دریافت کر سکے۔ اسی لئے پردہ رکھا ہے کیونکہ اگر
 اس طرح کہا جاتا کہ زنا کرنا اور شراب پینا بُرا ہے
 آدمی کو صفائے روحانی سے روکتا ہے تو کوئی شخص
 اس کو معتبر نہ جانتا۔ پس واسطے ترس دلانے کے کہا
 گیا کہ جو کہ ایسا کام کرے گا دوزخ میں ڈالا جاوے گا
 اور عذاب دیا جاوے گا۔ پس اس خوف کے مارے
 ترک کیا۔ اور اگر یہ کہا جاتا کہ عبادت و ریاضت صفت
 نیک ہیں اس سے صفائی باطنی حاصل ہوئی ہوگی
 یقین نہ کرتا اس لئے کہا گیا کہ جو کہ عبادت کرے گا بہشت
 میں جاوے گا اور جب دیکھا گیا کہ آدمیوں کی طبیعت
 خوراک و لباس کی طرف بہت مائل ہے اور سب کا
 مطلوب یہی ہے تو بیان کیا کہ جنت میں حور و قصور اور
 اور میوہ اور گوشت اور حورین ہیں۔ اور شراب
 اور خمر و شیر و جوئے آب و غیرہ ہیں یہ سب آدمی جاؤں
 گی پس اس کی خاطر سب عبادت کرتے ہیں۔ یہی طرح
 سے سب کے واسطے بہشت کی تعریف کی تاکہ فریفتہ
 ہو کر اصلاح پر آجاوین اور دوزخ کی بُرائی کی
 کہ اس میں ایسی ایسے عذاب ہیں اور فی الحقیقت
 وہ سب خاصیتیں انسان کی ہیں اور آدمی خیال

بالفعل ہے اور تو کچھ بالفعل ہے و ہستی بالقوہ ہے
 اور اگر حقیقت میں دیکھا جاوے تو بہشت و دوزخ
 کا سوا ہی نام کے نشان نہیں ہے اور نام عالم کے
 مضامین کے واسطے ہے۔ ورنہ کوئی دوزخ میں گیا
 اور کوئی بہشت میں ایک وجود ہے کہ موجود ہے اور
 مد ہر اعداد کے ساتھ ظاہر ہوا ہے۔ اگر بہشت میں
 کوئی صفت اور صورت اور نمود ہے تو اس وجود
 میں سے ہے کہ بحد و بے انتہا ہے۔ معنی دیگر ہم اس
 معنی کو بیان کرتے ہیں تاکہ اچھی طرح سے سمجھ میں
 آجاوے۔ جانا چاہئے کہ وجود ایک ہے اور وہ خود
 ایسا و اولیا اور مرتدان کامل کا عین حقیقت ہے جب
 انسان سب کو عین ایسا دیکھتا ہے اور غیر از خود کو
 معدوم۔ بلکہ دیکھتا ہے کہ خود بصورت لغتات ظاہر
 ہوا ہے اور تمام عالم کو لائق اور تعین کہتا ہے ہر ایک
 شفاعت تمام عالم ہی ہے۔ جب کہ تمام آدمی کو عین
 ایسا دیکھتا ہے سب کی تربیت کو مرضی عاقل ہے کیونکہ
 وجود کی تربیت سب پر لازم ہے۔ پس بروحہ المست
 اثنی کو تعلیم کی کیونکہ خود کو بصورت و صفت لیا دیکھا
 کہ ہر شے کی حاکمیت ہے کہ ہر گز اس سے جدا نہیں
 ہوتی۔ بہت سے ایسا لطیف لائق کے اور بہت سی
 کاب لائق کہتے ہیں۔ بعضی حد اعتدال پر ہیں اور

اور تیرا خون میرا خون ہے اور تیرا قلب میرا قلب
 ہے اور تیرا نفس میرا نفس ہے اور تیری روح میری
 روح ہے اور میں تو ہوں اور تو میں سے پس
 دیکھنا چاہئے کہ یہ وجود وہی ہے مگر نظر میں متفرق ہی
 پس جس قدر کہ سالک ترقی کرتا ہے جسے دیگر نظرات
 سے۔ اور خدا کو قریب تر دیکھتا ہے۔ پس عین وجود
 کو محسوس دیکھتی ہے اور بعض غیر محسوس اور بعض خدا
 کے ساتھ اشیا کو دیکھتی ہیں اور بعضی خدا کو ان میں
 دیکھتی ہیں۔ اور بعض تمام اس وجود کو اللہ دیکھتے ہیں
 پس وجود میں کچھ تفاوت نہیں ہے نظر میں فرق
 ہے۔ پس جنکو کہ ذات بحت منظور ہے اُنکے نزدیک
 نہ لعین بہشت ہے نہ دوزخ ہے نہ عرش نہ کرسی علی
 بذالقیاس وجود کے تمام تعینات مرتفع ہیں۔ اور
 جو کہ دو وجود کہتے ہیں وہ سب کے نام رکھتی ہیں
 اور اُنکی نزدیک سب اشیا جدا ہیں۔ مگر جو شخص کہ
 کہ اس کا طالب ہے البتہ بلا حجاب وحدت حقیقی کو
 دیکھی گا۔ اسی واسطے تمام چیز کو تمام چیز میں ظاہر کر دیا
 پس جاننا چاہئے۔ کہ عالم کے ایک ذرہ میں تمام عالم
 ہے۔ اور عالم کے تمام ذرات میں قیاس کرنا چاہئے کہ
 وجود کس قدر بچھوڑے نہایت ہے اور قوت اذقیل
 کو اس طرح دیکھنا چاہئے کہ جو کچھ بالقدور ہے وہی

اشجود کے ایک درہ میں دکھائی دیوے یس حسنا کہ
 کو یہ مقام لغیب ہو جائے اس پر قیامت بالکل آنکر
 گذر جاتی ہے۔ یس حاسا جانتے کہ وجود ایک سے
 زیادہ نہیں اور دوزخ و بہشت اسی وجود میں ہیں
 اور جو کچھ ہے یہی ہے۔ یانیت مطلق ہے با شہادت
 مطلق ہے۔ اور دو چیز ہر جمع نہیں ہوتے مگر لفظ
 میں فرق ہے۔ عقل ہے کہ ایک دن سیمبر رسالت بیاہ
 مرتضیٰ علی کو تلقین ماطی فرماتے تھے دریافت کیا
 کہ تمکو عالم کیا معلوم ہوتا ہے کہا کہ اشیا کو سوائے
 حق کے دیکھتا ہوں آپ نے فرمایا اس سے ترقی کر لی
 جاتے ہیں بعد از جید یوم فرمایا کہ کس طور تمکو عالم دکھائی
 دیتا ہے کہا کہ اشیا اقرب حد النرا آتی ہیں فرمایا ابھی
 ترقی کر لی جاتے ہیں بعد از جید دور درجہ کیا کہ اب
 کس طرح معلوم ہوتا ہے کہا کہ اشیا کو ذات حق میں
 دیکھتا ہوں۔ فرمایا ابھی عروج درکار ہے پھر ایک دن بہشت
 فرمایا کہ اب کیا لکھتا ہے۔ کہا کہ اشیا کو حد اسے
 ساتھ دیکھتا ہوں۔ فرمایا ابھی ترقی کر لی جاتے ہیں
 بعد از مدت پھر دریافت کیا کہ اب کیا حال ہے کہا کہ
 حد اسے اشیا کو نہیں دیکھتا ہوں یس آپ نے فرمایا
 کہ اب تمہارا کاتم ہو گیا اور ایسی کسا رسا رک میں لیا
 اور فرمایا۔ تیرا کاتم میرا کاتم ہے اور تیرا جسم میرا جسم ہے۔

کو بہشت و دوزخ میں ڈال رکھا ہے۔ کیونکہ تمام
 جہان بہشت و دوزخ کے نام میں گرفتار ہے اور
 لاکھ میں شاید ہی ایسا کوئی ہوتا ہے کہ گرفتار خدا
 ہوتا ہے۔ اور یہ کہ خدا نے کہا ہے کہ ایک عالم کو
 دوزخ میں ڈالو گا پس یہ ہی دوزخ ہے کہ جبکہ ڈر
 کے مارے خدا سے محبوب ہیں اور بہشت کی امید
 پر خوشحال ہیں اور دوزخ سے ڈرتے ہیں پس یہی
 نام دوزخ و بہشت کا عین دوزخ و بہشت ہے۔
 پس جس کی آنکھ روشن ہے وہ بہشت و دوزخ کو
 ظاہر دیکھتا ہے اور قیامت کو قائم اور خدا کو ہمیشہ
 دیکھتا ہے۔ اور غیب کو عین شہادت دیکھتا ہے اور
 اور خدا کو بھی اس مقام پر دیکھتا ہے۔ پس جب
 کہ اس وجود میں نگاہ کیجاتی ہے تو ہر جز میں کل اور
 کل کے ہر جز میں کل مطلق نظر آتا ہے پس وہ لوگ
 کہ مر گئے ہیں اور دے کہ آویں گے اور نہ آئے ہیں
 اور جو لوگ کہ ہیں اور جو کچھ کہ عیب و شہادت ہے
 اور جو کچھ کہ فعل و قود ہے تمام اس ایک میں دکھائی
 دیتے ہیں۔ اور یہ مطلب ہے اس کل کہ قیامت کے
 دن ایک لمحہ میں تمام آدمی جو کہ مردے ہیں زندہ
 ہو جاویں گے پس جب کہ کل شے بیچ کل شے کے نظر
 آنے لگی تو ازل سے ابد تک جو کچھ کہ ہے تمام

ہین۔ کیونکہ جو اس وجود کی صفت ہے وہ ہی ذات ہے اور اسم جو وہی ذات ہے اور ایک وجود ہیہ صفات ہے۔

اشعار

کہ درخش نام شد کہ آفتاب
آں یکے کش صد ہزار آثار ہا

گاہ کرش نام شد کا ہر سحاب
کتریں آثار او عمر بقا ست

ہر آئینہ کہ واسلام ایماں و ہدایت جو کچھ ہے وہی ہے
بحر اس کے موجود ہیں مگر تقسیم اس کی یہ ہین کہ کیا
کی نگلیں اور وہ وجود میں واقع ہیں۔ کیونکہ جو کچھ
اس وجود میں ہے باقی ہے اور کوئی جز خالی نہیں
ہے۔ جو کہ نام رکھتا ہے وجود رکھتا ہے اور جو کہ وجود
رکھتا ہے نام رکھتا ہے پس کیا وجود نام سے جدا
ہوتا ہے ہر آئینہ اسم اور ذات ایک ہے۔

بیت

و اب وصفت کیفیت بلند بیشکے
اوصاف و اسم ذات ہمہ مار بگریزے

پس معلوم ہو کہ ہر اسم میں سہمی ہے اور ہر سہمی میں اسم
ہے اور دونوں ایک دوسرے کے عین ہیں۔ اسی
طرح سے حاسا جاسے کہ یہ بہشت اور دوزخ کہ
حکامام ساعاتا ہے یہی اسم ہے۔ اور اگر عور کیا
حاوے تو معلوم ہو گا کہ دوزخ کے نام ہی ہے تب نام

<p>مالک دوزخ قوائی نفسی است صورت عدل است میزان صراط شد عبادتہا و طاعات ای مسیر چون شود اوصاف و اخلاق نیکو گمر گرفتار صفات بد شدی انجہ گفتم است از عین الیقین راست گو و راست دانی است بین خلق نیکو بہترین طاعات است</p>	<p>مالک از لذات روح قدسی است بر صراط حق گذر با احتیاط سیوہ ہای عذاب دشترین بر شجر بہشت جنت خود توئی ای نیک خو ہم درد دوزخ عذاب سردی نہ با استدلال و تقلید است این راستی کن گنج مرود راہ دین در خلاف نقش جان را راحت است</p>
---	--

جبکہ مالک صفات انسانی سے بصفات جمیدہ موصوف ہو جاتا ہے۔ سلوک اوس کا تمام ہو جاتا ہے اور وہی حق کو دیکھتا ہے کیونکہ اسکو تحقیق ہو جاتی ہے کہ بحر حق کے کوئی موجود نہیں۔ اور جو کہ اس حقیقت پر نہیں پہنچتا ہے وہ دوزخ میں ہے۔ کیونکہ عالم حس میں گرفتار ہے اور عالم حس دوزخ ہے۔ اور عالم ارواح اور عقول بہشت ہیں۔ اور اگر شاید پیر یہ خطرہ واقع ہو کہ جب مقرر ہو چکا گئے سوائے حق کے کوئی موجود نہیں تو پیر یہ تفاوت کسلٹی ہے اور دوزخ و بہشت کیوں نام رکھا۔ جانتا چاہئے کہ مقصود ہمارا اور کلام اس بارہ میں ہے کہ وجود ایک ہے اور ایک سے زیادہ نہیں ہے مگر وہ وجود بصورت بسیار ظاہر ہوا ہے اور اس کی ہر صورت میں چند صفات ہیں۔ اگرچہ وہ بھی عین ذات

در حیات ہنتم۔ ررور قوت فزاہمہ شیطان کا۔ اور لیسر
امارہ مالک دوزخ ہے۔ اور ریالو رلیع آلتس ہے اور
حد و کر ظلم و ستم و عصب کمالے ز قوم ہے ستہوت عارب
دوزخ اور کلعت دوزخ اں تمام کار ہائے فنا و مہترق
سے میوا کی آتین و تلخ ہے اور یہی سانپ اور بھوسے بجٹ
و محوت گر رہا ہے آتشیں ہیں۔ اور رشت خوی تمام لوگوں
کے ساتھ فرستو عدا کے ہیں۔ علی ہذا القیاس تمام احرا
دوزخ و خود میں ہیں۔ اگر بیان کو طول دیں تو کتاب
درار ہو جاوے۔ نیس جاننا چاہئے کہ دو نوخ بھی اسل
میں ہے اور جنت ہی السان میں ہے۔

مفتویٰ

بهت دورخ حییت اعمال است
 هر چه بی مکتب احوال است
 گاه دورخ گمراشت گاه و
 حمله طاعانت او احوال است
 مهر و مهر دوست و ظلمت
 دل پر نور تو ای فردوس
 هست حرا صاف یا کد و لیدیر
 رنهارای جان من از عگریر
 روح را خود این آب سرسیت

ہندت حت حیث اعمل خوشست
 حت تو در صورت اعمال تست
 گاہ لورت می نماید گاہ لور
 لالہ و گلہا می در یکاں و تم
 حور و علماں مملکی اوصاف تست
 مقرر و اریدہ در پاسے علیں
 حویٰ و حمرد حویٰ آب و حویٰ شیر
 آن رہاں کہ افسس آید در سیر
 حر آتش تو در فعل بند نیست

شجاعت جوئے خمر عفت جوئے آب ہے۔ عقل درخت
 طوبے ہے کیونکہ طوبے کی صفت یہ ہے کہ جنت کی ہر مکان
 پر اسکے شاخ سے اسی طرح سے عقل کی درخت کے بھی
 ہر دھن شاخ ہے اور ہر شخص کو اس سے آرام ہو سکتا
 ہے۔ اور عشق سدرۃ المنتہی ہے اور علم حوران بہشتی
 ہیں کیونکہ حوران کی یہ صفت ہے کہ جب کوئی انسانی
 جماع کرے گا بکر یا دیگا۔ اور سربار لذت تازہ حاصل ہوگی
 کہ پہلی مرتبہ حاصل نہ ہوئی ہوگی اس طرح سے جس قدر کہ
 انسانی علم کو بار بار زیادہ پڑھتا ہے معین تازہ اور بیشمار
 اس پر مکشوف ہوتے ہیں پس مراتب علمی بجائے حوران
 بہشتی ہیں اور لذات جمیع امور نیک و اقوال اور افعال
 پسندیدہ اور لباس ہائے نفیس میں ہے علی ہذا القیاس
 صفت بہشت بہت ہے۔ اور وہ سب وجود میں ہے
 اب بیان دوزخ کے درکات اور اسکے مراتب اور
 دروازوں کو بیان کرتے ہیں اور مطابق کرتے ہیں
 جانتا چاہئے کہ دوزخ کے سات درکات ہیں اور
 سات دروازہ ہیں۔ اسی طرح سے یہ بہشت اندام
 انسانی میں سات درکات دوزخ کے ہیں۔ اور پانچویں
 حس ظاہری اور شکم و الت بھی سات درک دوزخ کے
 ہیں اور اسکی سات دروازہ ہیں۔ اول در شرکت
 دوم در حرص سوم در آند چہارم در تکبر پنجم در بخل ششم

روح بہشت ہے اول نفس و وزج ہے بد و زحک و رجات
 ہی آئہ ہیں اور نفس کے درکات ہی سات ہیں۔ اور
 سب حصول درکات روح کے درہائے بہشت اس سے
 عبارت ہے آئہ ہیں۔ اور سب حصول درکات نفس کے
 کہ کھائے و رچکے دروازوں کے ہیں سات ہیں۔ پس
 حکو کہ یہ صفات روح حاصل ہیں وہ بہشت میں ہے اور
 حکو کہ صفات نفس حاصل ہیں وہ دورخ میں ہے۔
 پس جانتا جائے کہ درجات روح کے کہ بہشت ہے آئہ ہیں
 اور اوکو دروارہ ہی آئہ ہیں۔ اور وہ آئہ درجات بہشت
 کے یہ ہیں اول روح حامی دوم روح حاتی سویم حوام
 چارم دل نیم روح لسانی ششم روح طلی ہفتم روح
 السالی ہشتم روح قدسی۔ اور اوکی دراری ہی
 آئہ ہیں۔ اول در معرفت دویم در توکل سوم در صبر چارم
 در تواضع پنجم در سخاوت ششم در حلم ہفتم در حیا ہشتم
 در تقویٰ۔ پس جاسا جائے کہ یہ مراتب و درجات اور
 طقات اور آئہ دروارے بہشت کے ہیں اور مقام روح
 رمواں ہے۔ اور عبادت یہ استقامت قصور بہشت
 ہے اور عبادت کی لذتیں اسکے میوہ ہیں اور اخلاق
 سک اسکی جوہریں اور اقوال و افعال و مشق و اشتغال
 سک علماں اور حکمت اور عبادت و شجاعت و عفت
 یہ چار بہر ہیں۔ حکمت حوی علی عمل عدالت حوی شیر

سیاطلبا چہ گویمیت معذورے + عقبا طلبا چہ گویمیت مزدورے
 مولا طلبا کہ داغ مولا داری + برہر دو جہان منظر و منظرے
 پس جو لوگ کہ دنیا میں خدا سے غافل اور محبوب ہیں
 اور شرک کرتے ہیں بلبیل پنی حجاب کے دوزخ میں جاتے ہیں اور دوزخ
 میں بھی دیدار سے محبوب ہونگے کہ جو یہاں اندھا ہے
 وہ وہاں بھی اندھا ہوگا۔ پس اسی حجاب کا نام دوزخ
 ہے اور دوزخ میں عین سبب عذاب کا حجاب ہے۔
 پس معلوم ہوا کہ حجاب بذاتہ دوزخ ہے اور کہا گیا ہے
 کہ جو خدا کو یگانگی کے ساتھ پرستش کرتا ہے اور شرک
 نہیں کرتا ہے ہر آئینہ وہ بہشت میں جاوے گا اور ربوبت حق
 سے مشرف ہوگا۔ پس جنت میں پہنچنے کا سبب کشف
 ہے حق کی ربوبت کا۔ اور بہشت میں ربوبیت حاصل
 ہونیکا سبب یہی آیت ہے کیونکہ اگر یہاں مکتوف ہو کی تو وہاں ہی کشف
 ہوگی اور حجاب نہ ہوگا یہ معنی ہے کہ حق تعالیٰ ہی کے
 پہچانا اپنے رب کو اپنے رب سے (کیونکہ ربوبیت سے
 ربوبیت ہوئی اور حجاب سے حجاب ہو گیا۔ اور کشف
 کے سبب سے یہی چند چیز ہیں اور حجاب کی بھی چند
 ہیں۔ چنانچہ سب کے آٹھ درجے ہیں اور ہر درجہ کا
 نام بہشت ہے۔ اور دوزخ کے بھی سات درجے ہیں
 اور رب کا نام دوزخ ہے۔ اور دوزخ دروازے سے
 ہیں اور بہشت کے آٹھ ہیں۔ اس طرح جانتا چاہیے کہ

رایہ سحت کوئی عذاب نہیں ہے کہ حق کے دیدار سے
محبوب رہیں۔ اور اسی طرح اگر بہشت میں رویت
حق ہو تو وہ بھی حارستان ہے بہشت میں کوئی نعمت
رویت حق سے بہتر نہیں ہے۔ ورنہ جنت بھی جہنم
ہو جاوے اور عذاب کو کے معلوم ہو۔

کشم

جنت سرورم گر روح رہا شرم
مارا نہ غم دور نہ حرص نہ ہست
فرہم سے جیہ کار آید اگر یار باشد
بوار ز روح پردہ کہ متاق لقا یم

میں مقرر ہوا کہ کشف عبارت بہشت سے ہے اور
حجاب مراد دورح سے۔ کیونکہ اگر حجاب ہوتا تو
دورح ہوتا اور اگر کشف رویت ہوتی۔ کیونکہ بہشت
میں تغیر ویت کہا نا اور خرید ما نہیں ہے۔ اور وہاں
جنت میں کہا نا اور خرید ما ہے ہر آئینہ وہ بھی شہوت
کا دے ستکم پرستوں کے لئے۔ اور شیخ مائید بسطامی
نے کہا ہے کہ اگر میرے دل پر خطرہ دیا کا گد رتا ہے تو
تو میرا و صومالی ٹٹ جاتے ہیں۔ اور مایاک ہوتا
ہو نہ کیونکہ راحت عقلی ابدی ہیں اور راحت
دنیا حادثہ پس خطرہ عقلی کا حمایت ہے اور خطرہ دنیا
کا حادثہ ہے۔

رباعی

نام دوزخ ہے اور جو تکلیفین کہ اس پر واقع ہوتی ہیں وہ عذاب ہیں۔ اور جب کہ کمال حاصل ہو جاتا ہے تو روج مقام علیین میں جا کر مقام کریمت سے یہ عقیدہ اہل تناسخ کا ہے اگر تمام بیان کیا جاوے تو کتاب بے راز ہو جاوے۔ پس جانتا چاہئے کہ جو چہ ان لوگوں نے اپنی عقل سے بیان کیا ہے تحقیق نہیں ہے۔

بیت

پڑو ہند را یادہ زان شد کلید | کز اندازہ خویش تن در تو دید
موجودون کے نزدیک دوزخ عبارت ہے حجاب سے کہ وجہ باقی سے ہے۔ اور بہشت عبارت ہے کشف وجہ باقی ہے۔ یعنی جو کہ حق سے محبوب ہے دوزخ میں ہے اور جو کہ محبوب نہیں ہے وہ جنت میں ہے مصرعہ

وصل جنت ہی صنم ناز جدلی تری

تلم

کسے کو غافل از حق یکزبان است | در آندم کافرست اما نہان است
اگر آن غافل پیوستہ بودی | در اسلام بروے لبنتہ بودی
کیونکہ اگر دوزخ میں دیدار اللہ تعالیٰ کا ہوتا تو کچھ کچھ تکلیف دوزخ سے نہ ہوتی۔ دوزخیوں کو اس لئے

اور جو انسان کہ کمال حاصل کرتا ہے اور امتحان کامل
 کے درجہ پر پہنچ جاتا ہے اس کی روح بعد مرے کے
 آسمان پر جاتی ہے اور قابلیت ہر روح کی کہ موافق ہر
 آسمان کے ہے اس کو حاصل ہوتی ہے۔ اور جو روح کہ
 کمال حاصل نہیں کرتی ہے وہ میں کے نیچے رہتی ہے کہ درجہ
 ہے اور بہتہ گزشتہ درجہ میں رہتی ہے کہ اس کے نزدیک
 عذاب ہے۔ اور اعتقاد اہل تسامع کا ایسی ادالوں
 والوں کا یہ ہے کہ افلاک مراثت بہشت ہے ارواح
 کمال حاصل کرینگے واسطے افلاک سے زمین پر آتے
 ہیں اگر کمال حاصل ہو گیا تو پھر افلاک پر جلی جاتی ہیں۔
 اور نہیں آتی ہیں اور اگر کمال حاصل ہو تو زمین پر رہتی
 ہیں اور تسامع اور تسامع و تسامع و تسامع ہوتا رہتا ہے۔ تسامع
 یہ ہے کہ پیر انسان ہو جاوے اور تسامع یہ ہے کہ حیوان
 ہو جاوے تسامع یہ ہے کہ نبات ہو جاوے اور تسامع یہ ہے
 کہ حماد ہو جاوے اور پیران مراثت پر عود کرے تاکہ
 انسان ہو جاوے پس اگر کمال حاصل کر لیا تو آسمان
 پر چلے جاتی ہیں ورنہ بعد از مرگ خاک ہو کر تھیں سوئے
 دورہ کرتے ہے اور مرتبہ انسان کامل پر پہنچ جاتی
 ہے۔ اور جب کہ کمال حاصل ہو جاتا ہے تو انھماں پر
 کہ درجات صفت ہیں پہنچ جاتی ہے۔ دورہ اسی
 گردش و دورہ میں امداد تک رہتی ہے اور اسی

جو کچھ کہ اہل شرع بیان کرتے ہیں۔ ان تمام کا کیا مطلب ہے
 جواب یقیناً۔ جانتا چاہئے کہ دوزخ و بہشت عالم
 غیب میں ہے۔ ظاہر نہیں ہے اس لئے ہر گروہ اسکو
 صفت میں قول مخالف بیان کرتا ہے۔ اہل شرع کا اعتقاد
 ہے کہ بعد از حساب کتاب مومن بہشت میں جاویں گے
 اور ابد الابد تک اس میں رہیں گے اور کافرو دوزخ میں
 اور بہشت میں نہ پائیں گے شہر خمر اور غسل پانی کی۔
 اور سرد رخت کے نیچے نہ پائیں گے اور ٹوپی ایکساہیا
 و رخت کہ جنت کی تمام کو ٹھہریوں پر اس کی شاخیں
 ہو گی اور تمام بہشتی اس کے میوہ کھاویں گے۔ اور جنت
 کے مکان بیشمار ہیں اور گہترین مومن کو برابر دنیا
 کے مال و اسباب اور آرام و مکان دیا جاوے گا
 اور کافروں کو دوزخ میں طرح بطرح کا عذاب
 دیا جاوے گا جیسا کہ کتب اہل شرع میں لکھا ہے
 اگر تمام بیان کیا جاوے تو یہ کتاب بہت دراز
 ہو جاوے گی لہذا اسی قدر پر اکتفا کیا گیا۔ اور اہل
 حکمت کا اعتقاد ہے کہ آسمان کے آٹھوں طبقہ آٹھ
 بہشت ہیں۔ اور لو ان آسمان کہ فلک الافلاک سے
 افلاک کی چہت ہے کیونکہ وہ محیط ہے اور سفت اقلیم
 کہ سفت زمین ہے دوزخ کے سات درجہ کے ہیں۔ کیونکہ
 جو کچھ علوی ہے بہشت ہے اور جو کچھ سفلی ہے دوزخ

مثنوی

حق عیاں بینی بخت ہر چہ	مست گرد و صورت مالوہیت
بیدہ مالو تو بر خیزد ازین	چوں مالہ اندر دل تو شکست
خندہ واری نیستم پس جلیستم	من ندانم من منم یا میستم
محو گشتم در تو و کم شد دوی	من ندانم تو رسم یا من تو می

پس جب کہ سالک اس مقام پر پہنچتا ہے وہ پاسے تلخ و شور ایک ہو جاتے ہیں اور اس وقت نہ ذہن رہتا ہے اور نہ دالسن نہ کفر نہ اسلام نہ مادر نہ پدر نہ دختر لیسر نہ برادر نہ خواہر سب سے مترا ہو جاتا ہے و خود کو واحد مطلق دیکھتا ہے مقصود ان تمام کلمات سے یہ ہے کہ معلوم ہو جائے کہ موجود حقیقی حق ہے اور تمام استیا میں اس کا ہے۔ اور احوال قیامت مانع لقائے وحدت نہیں ہے۔

سوال تفسیر۔ جب کہ قیامت کی حقیقت نہ ہے کہ عیاں کی گئی تو پھر حنت اور دوزخ معہ اسے درجات اور درجات کے کیا ہیں اور اس کا کیا مطلب ہے کہ کفار ہمیشہ دوزخ میں رہیں گی اور مومن ماسبق تھوڑے دی اور دیدار کا حد اکا لغیب ہوگا و ہر دامن ملائکہ ہیں اور حور اور قصور اور علمان ہے اور طوبیٰ اور سدرۃ المنتہیٰ و کوثر و سلسبیل اور

جہکو معلوم ہے بیان کروں۔ ہر آئینہ شریعت ہر ہم ہو
جاوے اور دومی ہر طرف ہو جاوے اور سب یکساں
ہو جاوین کفر کا نام نہ ہے تمام موحد ہو جاوین مگر کیا
کروں زنجیر شریعت پانومین ہے۔

مشو می

<p>غیبت دستوری و گرنہ ریختی گر لو لیسیم بس قلم ہا بشکند شرح عشق از من بگویم بردوام زانکہ تاریخ قیامت و احدت بس کفم چون زبیر کان این بس بس کفم گرین سخن افزون شود بس کفم چون هیچ کس انصبت تا</p>	<p>گردانہ دریائی را نہ انگشتی در بگویم بس جگر با خون شود صد قیامت بگذرد و آن با تمام حد کجا اینجا کہ وصف این دست باک نہ ذکر دم اگر در دہ کست خود جگر چہ بود کہ خایہ خون شود دیدہ کور و جهان میر آفتاب</p>
---	---

تمام آیات قیامت کو مطابق توحید کے ظاہر کرنے میں
دو چیز مانع ہے ایک طوالت کلام دوسرے ملاحظہ
صاحب شریعت کا۔ کہ اس نے اخفا میں ایک سر کہا
ہے ورنہ ہر زخ شکستہ ہو جاتا اور شیریں اور شور ملکر
نہ یہ رہتا ہے نہ وہ۔ اسی طرح سے اگر ہر زخ اور بندوبست
شریعت کا ٹوٹ جاوے کہ جو اس وجود میں ہے دریا
الوہیت اور عبودیت کے ایک ہو جاوین نہ یہ رہے

ہیں۔ یس ایک دم عارف کا قیامت کے پیماس ہمارا
 سرس کے برابر ہے اور ایک دم میں تمام قیامت ہے
 مگر یہ ہمارا اس کی سمجھ میں آسکتا ہے جو کہ مرتہ ذات
 پر پہونچ گیا ہو۔ اگرچہ تمام نیست ہیں اور محض اس کے کوئی
 موجود نہیں ہے۔ مگر کسی کی آنکھ روش نہیں ہے
 اور عالم ال سے لے خبرین اور کوئی نہیں جانتا۔ یس
 ماسا چاہئے کہ قیامت کے معنی یہ ہیں مگر کوئی نہیں
 جانتا۔ اور دنیا کے آدمیوں نے اعتقاد کیا ہے اگر
 قیامت کے یہ معنی ہوتے تو اللہ تعالیٰ اوس کا وقت
 مقرر کر دیتا۔ اگر قیامت ایک واقعہ ہوتا تو عدا کیوں
 یہاں کرتا۔ لارم تھا کہ اوس کا وقت مقرر ہوتا یس
 حب کہ لفتن وقت، لفرمایا تو معلوم ہوا کہ وہ تمام تالیار
 کہ قیامت کی ہیں۔ تمام وجود میں یا مئی جاتی ہیں اور
 اسی جگہ لپڑ آتے ہیں۔ اور اظہار اس رار کا اس
 لئے نہیں کیا نا کہ قیامت کی ہیبت سے خلق کام میں
 لگی رہے اس واسطے ہیں کہا کہ قیامت کو ایسی
 دھود میں تلاش کر و اگر رسول اس بات کو کہتے کہ قیامت
 کو تلاش کر و وہ تم میں ہی ہے تو اذل کو کوئی لفتن
 نہ کرتا اور اگر ایمان لے آئے تو پھر ستر لیت نہوتی
 بلکہ حقیقت ظاہر ہو جاتی کیونکہ یہ سب حقیقت ہے
 جو کہ بیاں کی گئی ہے۔ اگر تمام احوال قیامت کا جو کچھ

نہیں ہے کہ جس سے پہچانی جاوے ذات حق کی مگر یہ
آنکھ جب پیدا ہو کہ طالب عین حق ہو جاوے۔

مشومی

تو قیامت شو قیامت اپین	دانش ہر چیز را شرط است این
آفتاب آمد دلیل آفتاب	گر دلیلست باید از روی و متاب
تو نہ بینی هیچ چیز را عیان	تا نگردی بالیقین تو عین آن

جب کہ طالب عین قیامت ہو جاوے اس وقت
قیامت کو دیکھے اور معلوم کرے اور جب تک یہ حال
میسر نہیں ہوتا ہے تو منکر اولیاء ہو کر اون کے احوال
کو نہیں دریافت کر سکتا کہ وہ عین حق ہیں اور خوف
ور جاو امید و بیم ان میں نہیں رہی۔ اور اون کی
دلگی فراخی سے وسعت عرش و کرسی و بہشت و دوزخ
کی کم ہے۔ اون کے ہر نفس میں فنا اور بقا ہے کیونکہ
اس نفس میں کہ اوپر کو آتا ہے نفی موجودات کے
کرتے ہیں اور نفی اول عبارت اس سے ہے اور
نفس ثانی میں کہ اندر کو جاتا ہے اثبات کرتے ہیں
اور یہ اشارہ نفی ثانی سے ہے سر آئینہ اون کے دودھ
قیامت گزرتی ہے۔ بلکہ دونوں درم ایک ہیں کہ نفس
کے باہر آنے میں اپنی خودی کو کم کرتے ہیں اور اندر
جاتے ہیں اثبات حق کرتے ہیں اور سب کو حق دیکھتے

ماسم ملتی ہے اور جمع کئے جاتی ہیں اور دونوں کو بہت
 کمال حاصل ہو جاتا ہے لیس **تَجْمَعُ السَّمَكُ فِي الْقَمَرِ**
 اس سے مراد ہے۔ جاتا جاتا ہے کہ کرامات اولیاء و
 معجزات انبیاء بھی اسی مقام پر ہیں کہ جب عقل کامل
 نفس ناطقہ کے ساتھ جمع ہو جاتے ہے تو جس امر کے
 لئے کہ حکم دیتے ہیں اور وہ واقع ہوتا ہے اور تمام
 عالم مشکوک ہو جاتا ہے اور عالم عرس سے فرش تک
 عقل و نفس ناطقہ کے آگے ایسا ہے کہ جس طرح جنگل
 میں دانہ حشاش کا بیڑا ہو کہ اسکے نمود ہی نہیں
 ہے۔ اور عقل محیط ہے تمام ذروں پر۔ جانتا جاتا ہے
 کہ یہ عقل کامل اور نفس ناطقہ کہ بعد از فنا اسکو بقا
 ہوئی جیسی سے ہی آگاہ ہے اور ہستی سے ہی انسان
 کی تحقیقات و خود کی اس وقت ختم ہوتی ہے کہ جب
 اس مرتبہ پر پہنچ جاوے کہ باوجود ہستی کے کو حیات اور
 باوجود نیستی کے کو بہت دیکھتا ہے پس جانتا جاتا ہے
 کہ ہر وقت احوال قیامت کا گذر رہتا ہے اور موجودات
 کے ذرہ ذرہ میں سے اگر اکہہ لکھ لکھ دیکھا جاوے
 تو وہی قیامت ہے اور وجود ایک ہے بلکہ اس وجود
 میں سے اسم اور رسم منقطع ہے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ
 کہ اس وجود کا یہ نام ہے۔ مگر یہ بات کس سے کہی
 جاوے بھر طالب حق کے۔ اور انسان کے دو اکہہ

عبارت اس سے ہے۔ یعنی آنکھیں کہ دیکھنے دیکھ سکتے
 تھے تاریک ہو گئیں۔ اور کمال معرفت و شناخت اسی میں
 ہے کہ نہ دم مار سکے اور نہ دیکھ سکے کیونکہ جہان کو جلوہ
 روح کا ہے وہاں خواہش عشاء کا وجود نہیں ہے۔
 نہ سنی کی قدرت ہے نہ دیکھنے کی کیونکہ اس مرتبہ
 میں آنکھ ہی غیب ہے اور دیدار منقطع ہے اور کان بہر
 ہن اور نہ بان گنگ ہے اور آنکھ اندہی ہے۔ نقل
 ہے کہ ایک دن ابو یزید جب گل میں جا رہے تھے کہ ناگاہ
 ایک کاسہ سر نظر پڑا اسی میں لکھا ہوا تھا **فهم لم یحکم**
عقلی فہم لا یحکم (یعنی گوئے بہرے اندہ ہے
 ہن پس وہ رجوع نہیں ہوتے) کہا کہ یہ کاسہ سر عارف
 معلوم ہوتا ہے۔ پس جانتا چاہئے کہ عارف کا مرتبہ یہ
 ہے کہ نہ سنی نہ دیکھ نہ کہے نہ جاسے و جو دین سستی
 حقیقی ہو جاوے یہ ہن معنی **خسف القمر و برق البصر** کے
 پر جب سالک مقام سہو پر بعد محو ہو سکے اور مقام بقا پر بعد
 فنا ہو سکے آتا ہے اور عقل گم شدہ و تیرہ میں پھر منتظر ہونہ
 حق ایک دانہ میں ہزارے و شاخ لگتی ہن۔ اور سخن
 کہنا آغاز کرتا ہے کہ **مکن عارف اللہ طالع لیسائے**
 جو خدا کو پہچانتا ہے اسکی زبان دراز ہو جاتی ہے اور
 اسکی عقل ناقص کامل ہو جاتی ہے اور نور عشق اس
 کا نام ہو جاتا ہے۔ اسوقت عقل نفس نا طاقہ کے ساتھ

عقل سیاہ ہو گیا۔ ہر آنکہ یہ وہ وقت ہے کہ شمس سیاہ
 ہو گیا۔ جب کہ سالک کو متاہدہ وجود عین کا حاصل
 ہوتا ہے۔ سخن سے خاموش ہو جاتا ہے اور عالم معنی
 میں عبارت کم ہو جاتی ہے اور عبارت کیا وجود میں رہتا
 ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے کہ مَن عَرَفَ اللَّهَ كَلَّ لِسَانُهُ
 حَسَنے پہچان لیا تو گوئی ہوئی راں اس کی (کیا
 معنوی کے حضور میں راں نہیں ہلا سکتے۔ جیسا کہ کہا
 حَسَنے مَن عَرَفَ اللَّهَ كَلَّ لِسَانُهُ)
 حَسَنے نے اللہ کو پہچان لیا اللہ نہیں کہتا ہے (کیونکہ مادہ
 کے حضور میں مادہ نہیں کہہ سکتے کیونکہ مے ادنیٰ
 ہے۔ پس الحق ہی اس عالم میں گنگ ہو جاتا ہے کیونکہ
 روح الہی کہ روح اصافی ہے اور اس مطلقہ عبارت
 اس سے ہے اور ماسد قر ہے۔ کیونکہ نفس مطلقہ عقل
 سے کہ کائنات شمس سے عین حاصل کرتا ہے۔ لہٰذا
 نفس مطلقہ ماسد ماہ کے اور عقل ماسد آفتاب کے سے
 پس جب کہ عقل متاہدہ میں سیاہ ہو گئی تو ہر آنکہ
 سے لازم آتا ہے کہ نفس مطلقہ ہی سیاہ ہو جاوے
 اور خُصْفَ الْقَمَرِ عبارت اس سے ہے اور عقل کا
 ولالہ ہے جب وصل ہو جاتا ہے تو ولالہ سے کام نہیں
 رہتا ہے۔ جب عقل تیرہ ہو جاتے ہے نفس مطلقہ گنگ
 ہو جاتا ہے ہر آنکہ حشیم ہی تیرہ ہوئی سُرِقَ الْبَصَرِ

اور کس طرح صورت پکڑیے تھے اور قوہ میں کس طرح
 خوردستی اور فعل میں کس طرح بزرگ ہوئی۔ ہر آئینہ
 یہ بزرگی انسان کی کہ فعل میں ہے نہ فعل میں سے
 بلکہ قوتیں زیادہ ہو گئیں ہیں چنانچہ ایک دانہ سے لاکھوں
 دانے تلگے بے نہایت تمام قوت میں ہیں اور حقیقت
 میں فعل و قوت ایک ہے۔ پس دیکھا کہ روح مجرد
 آئی تھی اور قوت بسیار حاصل کی اور جسم بھی مختصر
 آیا تھا بڑا ہو گیا اور بہت سی قوتیں پیدا کر لیں پس
 ان دونوں کو اپنے عالم میں پر کام سپرد ہوا کہ
 ایک سے مشغول رہے تھے اب ہزار بلکہ صد ہزار ہو
 جاوین۔ اور کہا گیا ہے کہ جب کہ انسان کامل ہو
 جاتا ہے ظاہر کو کہ جسمانی سے بالکل ظاہر کے ساتھ
 مشغول کرتا ہے اور باطن کو کہ روحانی
 سے بالکل روح کے ساتھ مشغول کرتا ہے یعنی دونوں
 میں سے ہر ایک کو عالم قوہ میں کام سپرد کیا اور
 وہ دونوں نے جزا پائی۔ پس جب وقت کہ انسان کمال
 معرفت پر پہنچا آیتہ **إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ** واقع
 ہوئی۔ کیونکہ تولد صوری کا حساب آفتاب سے
 ہے اور تولد معنوی کا عقل سے ہے پس اگر آفتاب
 نہ ہو تو حیوان نہ ہو اس طرح اگر عقل نہ ہو تو انسان نہ ہو
 پس جب کہ عشق آیا اور آفتاب احدیت چمکا

اور حسب معات لشریت کہ عاصیت و کاست جہانی
 سے بدد و اعل ہونے معات روحانی کے ترل میں
 آئے سست ہو یعنی جس وقت کہ زمین بشریت لرزہ
 میں آئی اور فنا ہوئے لگی کیونکہ تخی احدیت میں
 منات لشریت محو اور لاشی معلوم ہوتی ہیں اور
 خرائی واقع ہوئی اور جو کچھ کہ اس کی قابلیت میں ہے
 سب کو ایک بار ظاہر کیا اور انکو ز معانی ظاہر ہوئی اور
 اس ارکھل گئے تو آخر جت الاثر صی الکا کہا
 واقع ہوا۔ کیونکہ بعد از خرائی معات لشریت کے خرد
 سد الہی کے تمام ظاہر ہو گئے عیا کہ کہا

تثوی

در شکر ایں خانہ دیوان گل	ہر عارت گری حای و دل
متزلزل بیج مگرد در دست	تا لود ایں جاہ گل خرد خشت

میں وقت کہ انسان پر کینج معرفت ظاہر ہو گیا اور جاں
 لیا کہ ٹوٹی حرمجہ میں سے بہنیں ہے بلکہ سب حق
 ہے اور وجود مطلق اسی کے واسطے ہے اور اختیار
 فعل میں وہی ہے۔ پس وہ یہ وقت ہے کہ قال الا
 لسان نا لہا۔ اور جس وقت کہ اسان یر لظامت
 روحانی اور حق اور کسافت جسمانی مکشوف ہو گئی
 اور معلوم کیا کہ دونوں ببداد کس طرح ہوئی تھی

گزرے ہیں سب احوال قیامت کے ساتھ کہ ابتداء
صور اول سے مرتبہ رویت حق تک گزرے ہیں بقیہ
ہیں۔ اور قیامت کے تمام نشانیاں اس وجود میں ہیں

رباعی

این نسخه نامہ الہی کہ تو می
بیرون تو نیست ہرچہ در عالم است
آے قطرہ تو غافل کی کہ دریا
یعنی چونکہ کنی چپ و راست
آے آئینہ جمال شاکسی تو می
از خود لطلب ہرچہ خواہی تو می
در جوی تو میرود سویدا
کین شزدہ تزار عالم اینجا

اب مطالبہ است این کثانیوں کی شروع سوال میں
فہ کو رہو می ہیں بیان ہوتی ہیں جاننا چاہئے کہ قیامت
کے دن پہاڑ روئیں کی مانند اڑتے پرینگے کہ جیسی
نداف کے پاس اڑتے ہیں۔ اسی طرح جاننا چاہئے
کہ سالک کے لئے اس کی ہستی کا پہاڑ حجاب ہے
جب کہ افاقے وحدت حاصل ہوتی ہے تو ہستی
نہیں رہتی ہے۔ اور تمام شے انوار میں محو ہو جاتی ہے
اور ہستی اس کی یعنی صفات بشہیت کہ مثل پہاڑ
کی تھی پوشیدہ ہو جاتی ہے جیسا کہ کہا

پیت

تاہمچو الف نگردی از خویش
این قاف تو بر خیزد از پیش

بیت

اگر تو مروا دباشی بہا نامزد و نشانی کہ تو سرگر مباحثی در میان حیدر

حاجا چاہئے کہ احوال قیامت یہ سی کہ تمام عالم نیست
 ہو جاوے گا اور کسی لعین کا لٹاں نہ ہوگا اور آحرمن
 قیامت کے یہ سی کہ دیدار خدا کا نصیب ہوگا کہ کون
 ار دیدار کچھ نہیں ہے لیس جب کہ اسان نے اکبر
 روش کی اور دیکھا کہ کسی درہ کو وجود نہیں ہے مگر
 تمام عدم ہے اور تمام موجودات نمود و ہی ہے کو سی
 حقیقت نہیں رکھتی ہے برآیہ اس کو دہی مرتہ سے
 کہ قیامت کے آنے سے تمام فانی ہو گئے۔ اور لمحہ اول
 ہی ہے۔ اور جب بعد از فنا اشار تقاسے حق کو
 تحقیق کیا اور بحر وجود مطلق کچھ نہ دیکھا اور محرویات
 محبت کچھ لظہرین نہ آیا اور تمام کو حال محض دیکھا
 اور عدم کا ہی وجود دیکھا۔ اور بحر ایک عین کے دیکھا
 اور رب کو حق یا یا اور حق کو سب خیال کیا تو لمحہ
 تا یہ ہی ہے۔ اور اسی لمحہ میں ہے کہ تمام موجودات
 باقی نہ ہو گئی اور دیدار حق کو دیکھا۔ کیونکہ حق کو کا حق
 دیکھا لیس اس سے بالا کو ہی مرتہ نہیں ہے۔ لیس اس
 مرتہ صالحی لمحہ اول سے اس مرتہ کے آنے تک
 کہ تقایہ محض ہے حقیقت۔ احوال کہ اس دریا میں

جب تک کہ سالک شریعت و طریقت و حقیقت میں
استقامت حاصل نہیں کرتا یعنی ایک حال پر نہیں رہتا
مرتبہ توحید پر نہیں پہنچ سکتا۔ اور اقل مدت استقامت
کی سات برس ہے۔ اور سالک کو چاہئے کہ مرنے
سے پہلے مر جاوے اور جداعت ال سے قدم باہر نہ
رکھے کہ نکمیر اکھٹا مچس اچھی سکھتا ہے) ہر کام کا درمیانی
برتاو بہتر ہوتا ہے)۔ پس جب کہ مرتبہ توحید پر پہنچ
جاوے تو عالم تمام بجز حق کے نیست دکھائی دے گا اور
بجز حق کے کوئی موجود نہ ہوگا پس وہی حال کہ
قیامت میں ہوگا اس کو اس وقت مسیر ہوگا۔ جب تمام
خلقت کو دیکھے گا پس بہشت میں ہے جاتا چاہئے
کہ اگر تمام نشان قیامت کے بیان کئے جائیں
تو کتاب دراز ہو جاوے اس لئے یہ چند باتیں
یہاں پر ظاہر کر دی گئیں تاکہ معاوم ہو جاوے کہ
تمام احوال و احوال کا یہاں گزرتا ہے اور جب
انسان غور سے دیکھتا ہے تمام کو اپنے میں پاوے گا
پس منتظر وعدہ فردا کا نہ رہنا چاہئے۔ ادیت رائد
سے دل کو نہ چیلنا چاہئے۔ مگر فکر امروز میں رہنا چاہئے
اور جب حقیقت کام کی معلوم ہو جاوے گی تو جو کچھ کہ
سو اے اس کے نہیں ہے معلوم ہو جاوے گا۔ پس
اگر تو اس کا مرد ہو جاوے گا سب وہی ہو جاوے گا۔

اور اس جبردار بہن ہے اگرچہ وہی ہے کہ اس کا وجود
 ہے اگر دریافت کیا کہ اس آدمی کے وجود میں کس امت
 جسمانی بہت ہے پس اسکو خواہش لسانی میں مشغول
 کیا اور مڑے مڑے انجام و اعمال میں متل ضرور و تکبر
 و حرص و نخوت اور مسقی و شہوت میں گرفتار کیا۔
 اور وہ اس میں کہ متل دوزخ بلکہ عین دوزخ ہیں۔
 گرفتار ہوا۔ اور اگر اس ورں کر سوا لے لے معلوم
 کیا کہ اس میں صفائی روحانی بہت ہے پس اسکو
 عبادت و ذکر میں مشغول کر کے سعادت و علم و حلم اور
 معرفت اور تحقیق و خود میں یاسد کیا کہ یہ جبر متل بہشت
 کے ہیں۔ پس خزاں اعمال کے یہ معنی ہیں لہذا بلوغ
 یا دوزخ ہے یا بہشت۔ بہشت عبارت علم سے ہے
 اور دوزخ جہنم سے ہے۔ اور اگر اس ورں گڑھے
 والے دو ٹوٹی حاصیت برابر معلوم کہیں۔ تو اول
 عمر میں کس امت جسمانی میں مشغول کیا اور آخر میں
 توفیق سعادت مند ہی حاصل کر کے لقاقت مد عالی
 پر پہنچا دیا۔ اور کہا گیا ہے کہ ہر انسان کو ایک مرتبہ
 دوزخ میں گزرنا ہوگا تب بہشت میں پہنچے گا۔ سرانہ
 ہر کس کو کس امت جسمانی کے ساتھ مشغول ہے تاکہ
 لہذا یہت سے گزر کر روحانیت پر پہنچے پس جب
 تک کہ دوزخ سے نہ گد۔ یہ بہشت میں نہیں پہنچتا ہے

کی دو قسمیں ہیں ایک صوفی کہ بارہ برس کی عمر سے ہے
 اس میں جو اسماء و ہر چیز کے کہ لڑکے کو تعلیم کئے جاتے ہیں
 وہ سب حاصل کرتا ہے اور وہ خاصیت تا آخر عمر اس کے
 ساتھ رہتی ہے۔ اور دوسرا بلوغ معنوی ہے۔ کہ چالیس سال
 میں ہوتا ہے۔ اگر چالیس برس میں عقل پیدا ہو گئی اور
 تقویٰ اور پرہیز اختیار کر اور معرفت حاصل ہو گئی تو ہمیشہ
 تائب گوریسی احوال رہیگا بلکہ ابدالاباد تک اسی طرح
 رہیگا۔ پس بلوغ کے وقت لڑا ایسا ہے کہ اس کے اعمال
 کو وزن کیا۔ اس کے رب نے کہ اس میں سے اور
 وہ عبارت ہے روح سے۔ احوال القیض کیا کہ خاصیت
 اجسام کہ عبارت گناہ اور مبادا عصیان سے سے سنا
 صفائی روحانی کے کہ بجائے حسانت اور مبادا ارتکاب
 ہے۔ کیونکہ اس وجود میں بھی دو صفت پائی جاتی ہیں
 پس ہر نقش انہیں سے ایک چیز کو اختیار کرتے اور
 ایک صفت پر ظاہر ہوتا ہے تو جو کچھ کہ مخفی تھا وہ
 ظہور میں آتا ہے۔ پس وہ وزن کرتیو الا اس کا رب
 ہے کہ اس کے غایت استیلا سے کوئی کو نہیں دیکھ
 سکتا ہے۔ اگرچہ خود میں اس کا ہی طرح چنانچہ
 اگر حجاب کر لیا تو غایت بہت سے کوئی اس کو
 نہیں دیکھ سکتا۔ اسی طرح سے ہر انسان میں بعد
 از بلوغ اس کے رب نے کہ اس کے اندر ہے

۵۴

۵۵

۵۶

۵۷

وہ لطف انسانی میں سب موجود ہے اور لطفِ حق تک کہ
 اس میں جان بہین پڑتی ہے اور شکم سے ماہر بہین
 آتا ہے وہ موصول ہوتا ہے اور ایسا ہوتا ہے کہ تمام عالم
 نیست تھا۔ اور جب شکم سے ماہر آیا تو جو جہ عالم میں
 تھا اس میں پیدا و ظاہر ہوا۔ اشدائے گردش افلاک
 و ستارے اور ثوابت و عناصر سے غایت تک جو
 کچھ تھا مالی ہو کر لطف میں تھا اور وجود میں آیا۔ ہر آئینہ
 یہ لفظ تانیہ ہے اور حشر احیاء و قیامت ہے جاسا جائے
 کہ یہ طفل یکروزہ ہو لائے اول تو لد معوی کا ہے
 جاکہ لطف میں قالمیت تھی کہ صورت انساں ہو جاوے
 ہر آئینہ اس طفل یکروزہ میں قالمیت اس کی ہے کہ
 انساں کامل ہو جاوے اور سیرت الکی اختیار کرے۔
 پس جب کہ لڑکا شکم مادر سے نکلا ایسا ہے کہ تمام آدمی
 قر سے اوٹھی۔ کیونکہ ماکا بیٹ مثل گور کئی تنگ ذاریک
 ہی سر آئینہ یہ نکلتا اس کا شکم مادر سے حشر احیاء ہی اور بوم
 القیامت ہے (قیامت کا دل) بعد اوسکے میزبان بدل ہے
 کہ سبکی و بدی سبکی تو لی جاوے گی ایک پلہ میں سبکی
 اور ایک پلہ میں بدی رکھی جاوے گی اگر پلہ سبکی کا غالب
 آگیا تو حنت ملیگی اور اگر بدی کا پلہ غالب آگیا تو دوزخ
 میں ڈالا جاوے گا۔ عا شا چاہئے کہ جب انساں بالغ
 ہو گیا تو ایسا ہے کہ اعمال اس کے کو وزن کیا اور بلون

ایک رنگ سفید مانند پانی کے ہے جب عورت کے رحم میں پڑا اپنی حالت سے متغیر ہو گیا اور رنگ اس کا فانی ہو گیا مگر حقیقت اس کی کہ وجود ہے باقی ہے۔ جب تک کہ شکم میں تھا گو یا عالم تمام فانی تھا اور بے نشان تھا اور وجود حق کے لئے تھا کیونکہ جب کہ سب نیست ہو جاوے گئے حق موجود ہو گا۔ نیست ہونیکے یہ معنی ہیں کہ ایک مدت تک یہ نمود اور رنگ کہ اس وجود کا ہے نرے۔ جب تک کہ قابلیت پیدا کرے مگر اس وقت کہ لطفہ دیگر ہووے پہر وہی قابلیت اصلی کہ تمام صورتوں کو چھوڑ دیا تھا پہر اختیار کر ليوے۔ اس طرح سے جاننا چاہئے کہ جب کہ لطفہ عورت کے رحم میں پڑا اور وہ حالت اس کی متغیر ہو گئی۔ پہر جب کہ قابلیت تمام جو کچھ کہ لطفہ میں تھی ظہور میں آئی۔ یعنی چند روز لطفہ اسی طور پر رہا بعد ازاں غلغہ اور مصفہ اور پہر عظم و لحم ہو گیا اور یہ حالت چار مہینہ تک رہی۔ اور پہر اس میں زندگی پڑی جب شکم مآور سے باہر آیا گو یا لطفہ دیگر ہو نکلا گیا اور انہ سر لو عالم کو حیات ہوئی۔ کیونکہ جب کہ لطفہ لطفے سے گذر گیا تھا اور وہ قابلیت اس ذیل ہو گئی تھی۔ پہر جب لڑکا رحم میں سے باہر آیا جو قوت کہ لطفہ میں تھی وقوع میں آئی اور تمام عالم حشر آباد ہو گیا۔ کیونکہ جو کچھ کہ عالم میں ہے آدم کے وجود میں ہے۔ پس جو کچھ کہ عالم میں تھا

دیا تمام ہو گیا اور عالم میں کوئی چیز ایسی نہیں رہی کہ
 پہر مخلوق ہووے۔ اور جو کچھ قابلیت کہ وجود عالم میں
 تھی سب ظہور میں آئی۔ جب تک کہ عناصر لطفہ انسانی
 ہوا تھا ہنور خلقت باقی تھی اور جب کہ عناصر مرتہ انسانی
 پر پہنچا خلقت تمام ہو گئی۔ کیونکہ انسان کے لطفہ میں
 تمام استیاد کی قابلیت ہے۔ اور لطفہ کو پہلا لائی اول
 و جوہر اول و عقل اول اور روح اول کہتے ہیں۔ جب
 لطفہ سگیا گویا عالم دینا کمال پر پہنچا۔ اس ہم قیامت
 کو بیان کرتے ہیں۔ کیونکہ بعد لطفہ کے احوال قیامت
 اس کے اوپر گدرتا ہے۔ اور جو کچھ نشانیاں قیامت
 کی ہیں لطفہ پر وارد ہوتی ہیں۔ اس وقت تک کہ انسان
 کامل ہوتا ہے اور مرتا ہے۔ ماننا چاہئے کہ قیامت
 کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اسرائیل صو رہ
 ہو بیگنا اور تمام اشیاء صا ہو جائیگی اور بحر حق کسی
 حیر کا نشان نہ بیگا۔ اسی طرح جب کہ مرد عورت کے
 ساتھ طاع کرتا ہے اور لطفہ رحم میں جا کر قرار پکڑتا ہے
 تو اوس حال ایسا ہے کہ اسرائیل نے صو رہ بیگنا
 اور عالم تمام نیست ہو گیا۔ کیونکہ اوپر ذکر ہو چکا ہے
 کہ عالم نام ایک وجود کے لقینات کا ہے کہ تمام نمود
 نے لو ہے اور حق عبارت صفت و خود سے ہے کہ
 اصل وہی ہے۔ پس دیکھا جاتا ہے کہ نمود لطفہ کیا ہے

گر جویم سرچہ مسد الخ تمام جملہ مجنون میشوندش والسلام

اگر کسی کے گوش شنوا اور چشم بنیا ہو تو ہم ہمیں بیان کرنے
 میں اب بھی کمی نہیں کی۔ اور اگر کڑا در زاد ہو تو کیا کیا
 جاوے۔ کیونکہ جو بیمار سی کہ آدمی ما کے پیٹ میں سے
 لاتا ہے اس کو کوئی دور نہیں کر سکتا۔ جب کہ یہ معلوم
 ہو گیا کہ قیامت کی حقیقت یہ ہے۔ اور وجود باقی ہے
 اس کو اصلاً فنا نہیں ہے۔ اب قیامت کی نشانیاں
 انسان کے وجود میں ظاہر کیجاتی ہیں کیونکہ وہ تو قیامت
 کر لے ہے کہ تمام وجود کے واسطے ہے۔ پس یہاں انسان
 کے مرنے تک قیامت کو تمام کر دینا چاہئے۔ تاہنگ و شہرہ
 بجلی رفع ہو جاوے پس جانتا چاہئے کہ جب نور آفتاب
 سمراہ آگ و پانے کے زمین کے اوپر چمکنا بت ہو گیا تو
 دیکھنا چاہئے کہ عناصر میں کس قدر تبدل و تغیر واقع ہوا
 تب نبات ہوا۔ اور جب نبات کو حیوان نے کھایا یا لطفہ
 حیوانی بن گیا اور اس سے دوسرا حیوان پیدا ہوا۔ اور
 اس کو جب انسان نے کھایا یا لطفہ انسانی پیدا ہوا۔ اور
 یہ لطفہ خلاصہ غذا کا ہے پس دیکھنا چاہئے کہ عناصر سے
 لطفہ انسانی تک کس قدر تغیر و تبدل واقع ہوا اور
 کتنے نام اس کے رکھے گئے۔ پس یہ تبدل ہونا عناصر کا
 لطفہ انسانی کے ساتھ مثال عالم دنیا و تغیرات دنیا
 کی ہے۔ اور جب لطفہ ہو گیا مانند پانی کے ہے کہ عالم

ہے اور دریا میں ہرگز تغاوت نہیں ہے۔ یس اگر
 کوئی ایسا وقت آجاوے کہ یہ وجود گداریا موج نامی
 سے بند ہو جاوے تو اس شے کے نام فنا کے موجودات
 اور بقا کے حق اور قیامت ہے۔ اور مہی دیگر ہمیشہ
 یہ دریا وجود کا نمونہ ملین ہے اور اس وقت سے کہ لقیں
 آسمان اور زمین کا لیا ہے ایک موج ہے کہ اس صفت
 سے ظاہر ہوئی ہے جب کہ دوسری موج پیدا ہو گئی یعنی
 لقیں دیگر اختیار کرے گی اور اس موج کو برہم کہ دیگی
 یعنی اس لقیں سے لقیں دیگر اختیار کرے گی تو اس حال
 کو مائے اشیاء و بقا کے حق اور قیامت کہتے ہیں اور یہ
 ہیں معنی کل شئی عھا لک اکلای نفعہ کے یس جانا یا سہی
 کہ تبدیل و تغیر اس وجود و خود کا کمال ہے نہ کہ نقصان
 فنا ہین ہے ملکہ حکمت ہے کہ اس وجود کے تغیر و تبدل
 میں یا مئی جاتی ہے۔ اب آگے زماں یاری ہیں دیتی
 ورنہ قصہ بہت ہے۔

بیت

شرف و حدیث میں پایاں سزا

شرف و حدیث میں پایاں سزا

اور علاوہ ازیں اجازت ہی نہیں ہے ورنہ اس سے

زیادہ واضح بیان کرنا

بیت

بیت انوری و مکر نہ ریختی

گردار دریا می رانہ انیکہ

بلکہ وہی موج اول ہے کہ دوسرے کے آنے سے فنا ہو گئی
 اور یہ دوسری بجائے اس موج اول کے ہے نمودین
 مگر وجود میں تفاوت نہیں ہے اور ایک دریا میں یہ رب
 موج و حباب اڑھتی ہے اور وہی دریا ہے کہ کہہ سکتے ہیں
 کہ موج اور حباب فنا ہو گئے اور دریا باقی ہے۔ اگرچہ
 خود دریا تھا کہ موج و حباب تھے اور باعتبار دیگر موج
 و حباب بھی فانی نہیں ہیں۔ کیونکہ جب تک دریا ہے
 موج و حباب ہیں۔ اور جب کہ وہ موج و حباب جاتی
 رہی اور دوسری پیدا ہو گئی تو ان کو فنا نہیں کہہ
 سکتے کیونکہ فنا ہونا اس وقت میں تھا جب کہ دریا اس
 طرح بہتا کہ اس میں موج و حباب نہ اٹھتے۔ اور جب
 کہ ہمیشہ دریا کا یہی حال ہے تو اس اعتبار سے موج
 و حباب بھی باقی ہے۔ تو پھر کیا اس سے کہ دریا ہمیشہ
 موج مارتی ہے اور اس کی ایک موج دوسری موج
 کو زایل کرتی ہے اور خود بجائے اس کے ہو جاتی ہے
 دوسری لازم آتی ہے۔ ہر آئینہ دوسری لازم نہیں آتی ہے
 کیونکہ دریا ایک ہے دریا کے وجود میں دوسری نہیں ہے
 پس موجیں اور بگولے نمود دریا ہیں اور خاصیت دریا
 کی ایسی واقع ہوئی ہے کہ ہمیشہ موج اس کے ساتھ ہو۔
 اور ہر موج دوسری موج کو برہم کرے مگر ایک موج
 کی حقیقت دوسری موج کی حقیقت کے ساتھ ایک

پس مانا جائے کہ حقیقت اس وجود کی یہ ہے کہ عرص
 کو دوسرے عرص کے ساتھ تبدیل ہو جائے سے یا دونوں
 اعراض کے باہم لمبائے سے کوئی قیاحت لازم نہیں آتی
 بلکہ کمال حاصل ہوتا ہے۔ ورنہ حقیقت اس کی کہ قابلیت
 و لقیات رنگ و اعراض ہے ہرگز فانی نہیں ہے۔ اور
 نہ ایسی کہ عدم میں گئی بلکہ عین وجود میں ہے۔ مگر نمود
 میں بے بود ہے۔۔۔ لقیات اس وجود کی فانی ہیں اور
 اس کی حقیقت نہیں ہوتی ہے اسکا سرور و نشانی باقی
 ہے اور یہ یسوی ہے اس کے کہ کل میں علیہا فانی ہی
 وَجْهٌ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔ کل
 شَيْءٍ بِهَا لِكُلِّ شَيْءٍ وَجْهٌ مِّنْهُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهَا
 مَنَاسِلٌ ۚ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ اس علی
 میں ہیں پڑنا چاہئے کہ دو وجود ہیں ایک حرفانی اور
 ایک حرفاتی۔ دو وجود ہرگز لازم نہیں آتی ہیں۔ بلکہ
 درحقیقت وجود ایک ہے کہ موجود ہے مگر وہ ہر دم ایک
 ایک شان اور ایک لقیں اختیار کرتا ہے۔ پس خارج
 لقیں ہے نو اس لئے لقیں دیگر کے۔ اور بقا عارت اس
 سے ہے کہ بقا کے دوسری لقیں کی صورت حاصل کرے
 اور وہ وجود متعین ہوتا ہے۔ اور باقی ہے اور اس
 کی ایسی ہے کہ مثلاً ایک دریا ہے کہ ہر دم موج مارتا
 ہے اور موج کہ اٹھتی ہے دوسری موج کی لہی کرتی
 ہے۔ پس کیا اس سے دو وجود لازم آتے ہیں۔ نہیں

کے واقع ہے پس جب کہ تمام چیز تمام چیز میں ہو۔ تو
 ہر آئینہ لازم ہے کہ ہر جزراتنی گردش کرے اور اس کا
 ظہور ہو دے کہ تمام اشیا کہ ایک جز میں ہوں سب
 ظاہر ہو جاوین پر ان جزوں کی اجزاء علی ہذا القیاس
 اے مالا نہایت جہان تک انتہا نہیں۔ یہ بیان ذرا
 دقیق ہے ہر کیسی سمجھ میں آسانی سے نہیں آسکتا طالب
 کو چاہئے کہ بتدریج دقیق یہ نکرار اس مطالعہ کرے تاکہ
 یہ اسرار فہم میں آوے۔ کہ گردش اس وجود کی ایسی
 ہی ہے کہ ہمیشہ ایک حال سے دوسرے حال پر ہوتا
 اور عروج و نزول اور سیر اس وجود کی اپنی ذات
 میں ہے۔ اور بے انتہا ہا بیت اور خاصیت اس وجود کے
 ایسی ہے واقع ہوئی ہے کہ ہمیشہ سیر اور نزول رکھتا
 ہے کما قال مولانا۔

اشعار

در سماق از ماہ تو گرد و دوتا گر چہ در دانه بہ ہا دن کو فتند گند می راز بہر خاک انداختند بار دیگر کو فتند سن ز آسیا باز مان راز بہر دندان کو فتند باز آن جان چونکہ محو عشق گشت	نہ در آخر بدر گرد و بر سما نور چشم و دل شد و بیند بلند پس ز خاکش خوش ہا بڑا شستند قیمتش افزون کہ جان شد خال فرا گشت عقل جان فہم سو شستند نعمت المزلع آمد وقت گشت
--	---

جس لطفہ بصورت انسان کامل ہو گیا پھر ضرور ہے کہ
 خاک ہو جاوے اور پھر لطفہ ہو جاوے لیس یہ نہ مرنا
 ہے نہ فنا ہو مانہ قیامت بلکہ اس وجود کی قاضیت ایسی
 ہے واقع ہوئی ہے۔ جتنا نچہ تغیر و تبدل لطفہ کا اور اس
 کی طرف رخ اور اس کے وجود کی قاضیت ہے کہ اس کے لطفہ
 کے فنا ہو جانے میں معلوم کی۔ ہر آئینہ اب جانتا چلے
 کہ مبداء تمام موجودات کا وجود حق ہے اور اس کے
 لغتیں اختیار کیا۔ پس وہ لغتیں اول کہ اس کو روح اول
 اور عقل اول کہتے ہیں مبداء اس وجود کا ہے۔ عقل
 سے فرشتہ تک ہر آئینہ جو کچھ اس وجود میں نظر آتا ہے
 اس مبداء میں بہت سب سامنے کے گدے سے لطفین
 آتی باقی ہے جیسے کہ موج بعد موج کے آتی ہے۔ اور
 اور خاصیت اور قابلیت اس مبداء میں ہے انتہا ہے
 ایک صورت کو لیتا ہے دوسرے کو چھوڑ دیتا ہے۔
 ہمیشہ یہ کام کرتا ہے اور اس کام سے حد انہیں ہوتا ہے
 کیونکہ لطفہ صاف لطفہ صاف لطفہ صاف لطفہ صاف لطفہ صاف
 پس اس سیطرے سے جانا چاہیے کہ اس وجود میں جو
 کچھ ہے تفسیر اس کی یہی ہے۔ اور ہر گر حقیقت
 وجود مانی ہیں ہے بلکہ اگر مستحضر ہوتا ہے تو اسی حال
 حقیقی یہ کہ اس کی ذات میں پیدا ہوتی ہے۔ پس یہ
 وجود کا کمال ہے نہ کہ فنا اس کی۔ کیونکہ ہر شے ہر شے

نے کہا یا وہ بھی عدم نہیں ہوا۔ اور اہل شرع کے نزدیک
 یہ بات ہے کہ مومن انسان جس حیوان کو کہا تا ہی خاک
 اس حیوان کی بہشت کی خاک بنائی جاوے گی جانتا
 جائے کہ وجود انسان کا بہشت ہے جب حیوان کی
 خاک جزو انسان ہو گئی بہشت میں پہنچ گئی کیونکہ وجود
 انسان عبارت ہے بہشت سے۔ جبکہ لطف ہو گیا تو تمام
 قابلیت کہ انسان کامل میں ہوتی ہیں لطف میں اٹھ گئی ہر قابلیت
 کو ایک وقت پر ظاہر کرتا ہے۔ اور جب کہ لطف نہ تھا
 تو تمام قابلیت خاک میں تھی۔ پس خاک کے جوش
 سے لطف ہو گیا اور جب لطف نے جوش کیا تو جو قابلیت
 کہ اس میں تھی سب کو ظاہر کر دیا۔ اور تمام قابلیت ایک
 وقت ظاہر نہیں ہوتی ہے مگر ایک وقت میں صورت
 لطف میں سمجھو سب ہوتے ہیں۔ اور جب سب کو
 ظاہر کرنا چاہتا ہے البتہ ایک ایک کو ظاہر کرتا ہے
 کیونکہ ایک وقت میں سب کا ظاہر ہونا محال ہے اور
 جب جس صورت کو ظاہر کرتا ہے صورت اول کو محو
 کرتا ہے مگر مادہ اُن صورتوں کا محو نہیں ہوتا ہے مثل
 لطف کے۔ پس جانتا چاہئے کہ وہی خاک ہے کہ لطف
 ہو گئی اور وہ ہی لطف ہے کہ انسان کامل ہو گیا وہی
 ایک جز ہے کہ صورتیں اختیار کرتا ہے اور پہلی صورتوں
 کو چھوڑتا ہے اور کئی یوں مڑھو فی شائی کے بھی معنی ہیں

مثلاً قوتِ حادثہ ناشکرا واقعہ وغیرہ جیسے کہ کتبِ طب
 میں مرقوم ہیں پس جب کہ لطفہ علفہ ہو گیا مطلق صورت
 لطفہ کی نہ رہی اور جب مضعہ ہوا صورت علفہ کی نہ رہی
 اور جب ہڈی اور گوشت بگیا اور روح اس میں آئی
 تو ایک ایسی چیز گئی کہ علاوہ لطفہ و علفہ اور مضعہ کے
 ہے اور یکہ متا بہت بہین رہی پس حانا چاہئے کہ رنگ
 لطفہ اور علفہ اور مضعہ کا مانی ہو گیا اور حقیقت اس
 کی مانی ہے۔ اور جب کہ ہڈی و گوشت اور روح ہو گیا
 اس کا نام اسان ہو گیا۔ اور سب کا رنگ حاتار ہا۔
 زیت و حمال طرہ پیدا ہو گئی پس حاسا چاہئے کہ اس
 جب کہ لعل ہے وہی ہے اور جب کہ حوان ہوا وہی ہے
 اور اگر ہڈی ہو گیا تو وہی وہی ہے اور مر گیا تو وہی وہی ہے
 پس مرافقا ہوا نہیں ہے بلکہ ایسی اصلی حالت یر روح
 ہوا ہے۔ کیونکہ جب وطن شد ایلا ایمان سے ہے اس
 سب سے کہ اصل آدمی حاک ہے حاک سے تو اسلہ
 آب ساتا پیدا ہوئی اور نباتات کو حیواں کہا یا لطفہ حیواں ہو گیا اور
 اس لطفہ سے حیواں دوسرا ہوا اور اس حیواں کو
 اسان کہا یا۔ لطفہ اسانی ہو گیا پس دیکھا چاہئے کہ
 لطفہ اسانی حاک سے ہے۔ اور حاک جب کہ سات
 ہو گئی تو وہ عدم ہیں ہوئی۔ اور سات جبکہ حیواں
 سنی وہ ہی عدم ہیں ہوئی اور حیواں کو جب کہ اسان

پر قرار پکڑا تو کل شئی ہا لک الا و جہد ہر شئی
 فنا ہو گی مگر اسکی ذات، یعنی حقیقت اشیا کہ حق سے اور
 وجہ مراد اس سے ہے باقی رہی گے۔ اور عبارات کہ نمود
 بے بود ہیں فانی ہو جاؤ گے۔ اور کل شئی ہا لک اس
 بات کی طرف اشارہ ہے کہ اصدا د نرینگے سب ایک
 حقیقت ہو جاؤ گے۔ اگرچہ اب بھی ایسا ہی ہے مگر
 عارفون کی نظر میں نہ کہ جاہلون کی نظر میں پس جانتا جا
 کہ پہر نا اور تغیر اور تبدل عرض کا محض حکمت ہے اور
 جو ہر عرض میں مخفی ہے اور عرض ہیں۔ اور ایک دوسرے
 ساتھ سیر کرتے ہیں اور نتیجہ نکالتے ہیں۔ جانتا چائے
 کہ لائقین کے لائقین میں آنے کی اور جوہر کی فنا و بقا کی
 مثل ایسی ہے۔ جیسے کہ لطفہ کہ جب عورت کے رحم میں
 پڑا چند روز اپنی صورت رہا یعنی آب سفید پہر علقہ ہوا
 یعنی پارہ گوشت پس جب کہ لطفہ نے صورت اپنی رہا
 کی اور بصورت علقہ ہو گیا تو کیا یہ کہہ سکتے ہیں کہ لطفہ
 فنا ہو گیا اور علقہ عدم سے وجود میں آگیا کیونکہ یہ امر
 محال ہے کہ وجود عدم ہو جاوے اور عدم وجود پس
 مقرر ہوا کہ وہی لطفہ بذات خود علقہ ہو گیا۔ اور پہر وہ
 علقہ مضغ ہو گیا پس وہ علقہ نیست نہیں ہوا ہے وہی
 علقہ مضغ ہو گیا اور پہر مضغ عظام ہو گیا جب گوشت پیدا
 ہو گیا روح اس میں آگئی اور قوت بہت پیدا ہو گئی۔

یہ

صورت

یہ

اختیار کر لے کیونکہ کل یوم ہوا میں ساری یہ غایت رکھتی ہے
 کہ لائق کا لائق ہو نا اور لائق کا لائق ہو مانے حد و ہمت
 ہے اس کی انتہا نہیں ہے۔ پس یہ بھی ہیں قیامت اور فنا
 موجودات اور لقائے اللہ تعالیٰ کے اگر مہر یہ مات مہم
 میں نہیں آئی تو ہم ہر صاف صاف ساری کرتے ہیں۔ حالت
 یہ ہے کہ لائق نے جب لائق اختیار کیا دو لائق ہوئے
 ایک لائق اور کیا یہ اس کو لائق اور لائق ہی کہتے
 ہیں۔ اور سدا کے تمام لقیات کا ہے۔ او۔ او۔ او۔ او۔
 کی دو قسمت ہوئی ایک جو سر اور دوسرا عرض اور فی
 الحقیقت ہر تے کی حقیقت کو جو صمد کہتے ہیں۔
 اور اس لائق کو کہ اس کا لباس ہے عرض کہتے ہیں۔
 جنانچہ روح جو ہر ہے اور جسم عرض ہے اور اس و جو۔
 کی گردش اور تمل صغات کو ایسے میں عرض کہتے ہیں
 اور اس وجود کی حقیقت کو جو سر اس لقیات کا نام
 عرض ہے کہ اس کی نمود ہے مگر حقیقت یہی ہے اور
 وجود اعتباری ہیں۔ پس جب کہ اس وجود میں تبدیل
 و گردش نہ تھی لائق کہتے تھے۔ یہ صفت اس تغیر و تبدل
 سے تبدیل ہو گا اور دوسری حالت اختیار کر لیا اور اس کا
 اعتبار مرتفع ہو جاوے گا وجود اصلی ماقی رہیگا۔ او۔
 وجود مجاری کہ نمود نے لود ہے مالی ہو جائے گا۔ پس
 یہ قیامت ہے۔ پس جب تمام لقیات نے ایک لائق

موجود تھی۔ پس اسکی قابلیت اس بات کی باعث ہوئی
 کہ اس سے علم یقین ہو گیا۔ اور قابلیت وجود کو مرتبہ علمی
 اور جو کچھ کہ بالفعل ہے اس کو مرتبہ عین نام کیا۔ اگر یہ
 کہا جاوے کہ لائقین نے یقین کس واسطے اختیار کیا تو
 جواب اس کا یہ ہے کہ حکم کلی یعنی مدہ یعنی نشان سے
 حاجت اس وجود کی ایسی ہے واقع ہے اور کوئی اس
 سے سوال کر نیوالا نہیں ہے کہ کیوں اور کس وجہ سے ایسا
 کیا۔ وہاں سوال قفل خاموسی لگا دیا ہے اور چون و چرا
 کا دروازہ بند کر دیا ہے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس وجود
 کی یہ خاصیت کیوں واقع ہوئی ہے بقول سعدی مصرعہ
 نہ بر حرف او جائی گشت گس

پس اسوقت سے کہ یہ آسمان وزمین غیر ہوئے ایک روز
 اور ایک نشان اور ایک یقین ہے دوسرا یقین اختیار نہیں
 کیا۔ حدیث میں ہے کہ قیامت میں تبدیل آسمان وزمین
 حکم یعنی حدیث لے والے تھیں یعنی انھیں رضی اللہ عنہما جس دن
 کہ بدل جاوے زمین غیر زمین سے (کے ہوگی یعنی زمین غیر
 زمین کے ساتھ بدل جاوے گی پس غیر زمین آسمان سے
 آسمان کے ساتھ بدل جاوے گی اور کوئی جز نہ ہوگا مگر ذات
 اللہ تعالیٰ کی یہ یقین پہلا یقین ہو جاوے گا کیونکہ یقین کا مبداء
 لا یقین ہے اور معاد بھی وہی ہے۔ پس ضرور ہے کہ یقین
 کہ یقین پہلا یقین ہو جاوے سرانہ اگر چاہے پہلا یقین

ہدایہ آید اور حق پر دوامست
 تیرا کستی تو موقوف قیامت
 بر آوردی و سوا اس از گوش
 ندای واحد القہار بدویش
 عبارت دیگر واضح طور سے ہم بیان کرتے ہیں تاکہ ہر شخص
 کی سمجھ میں ہمارا مطلب آجائے۔ جانا چاہئے کہ وجود
 ایک سے زیادہ نہیں ہے۔ اور قائم ہے۔ ارل اول
 سے ابدالاً بات تک قائم و ثابت تھا اور رہیگا۔ اور ہر
 حق کے کوئی درہ موجود نہیں ہے اور لقیات نمود ہے
 اس کے طور ات کی اور گردش وجود کی ہے اپنے
 وجود میں۔ اور کسی مخلوق کے وجود میں ہرگز نہیں ہے
 مگر خود عالق ہے خود مخلوق ہے۔ مگر اس وجود کی جائز
 ایسی واقع ہوئی ہے کہ ہر درہ لقیات دیگر دستان دیگر
 اختیار کرتا ہے اور ایک م میں اس کی سو ہزار شاخیں
 ہے جاتا چاہئے کہ ایک دم اور ایک شاخیں اسکی ایسی
 ہے کہ جاتا ہے اور فانی ہوتا ہے۔ پس ہر دم اس وجود
 کی ایک دوسری شاخ ہے۔ دلیل عقلی و نقلی سے
 یہ بات مقرر ہو چکی ہے کہ وجود لقیات سے پہلے لقیات
 تھا کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کس طرح تھا یعنی ایک لقیات رکھتا
 تھا دوسرے لقیات۔ تھا کہ اس کا نام رکھیں اور بیاں کریں
 نور اور تاریکی اس وجود میں ایک جگہ جمع تھی سب
 ایک حقیقت تھی اس لئے اسکو لاقیات کہا۔ جب اس
 لقیات اول لیا اس جہت سے کہ قابلیت اس میں اسکی

کیسا ملک کہ خود مالک ہے اور خود ملک ہے۔ پس
کہتا ہے کہ میں ہی تھا کہ ان لعینات کے ساتھ طاہر ہوا
تھا اور جب کہ لعینات کو مٹا دیا تو پہر وہ لعینات کہیں
ہیں۔ اگرچہ بحقیقت وجود لعینات نہیں تھا بلکہ نمود بی بود
تھی۔ اور وجود حقیقی حق کے لئے ہے پس عرض کی اس
تغیر و تبدل کو قیامت کہتے ہیں۔ جیسا کہ مولانا نے فرمایا ہے

مثنوی

نقل اعراض بہت این سیر سغال	نقل اعراض بہت این سیر سغال
اندوین معنی بیاد ہل اتلا	جملہ عالم خود عرض بودند ما
این صور ہم از چہ زاید از فکر	این عرض ہمار چہ زاید از صو
عقل چون شاہ بہت صورت ہار گل	این جہان یک فکر نیست از عقل کل
عالم ثانی جزای این و آن	عالم اول جہان و آسمان
آن عرض ز تجر و زندان میشود	چاکرت شاہا حیات مسکن
آن عرض نہ خلق باشد و نہ بد	سندہ ات چون خدمت شایستہ کرد

پس جانتا چاہئے کہ کہا ہے کہ اعراض کا یقینی اثر مانیں
عرض دوزمانہ تک باقی نہیں رہتا ہے۔ عرض ہمیشہ تغیر
و تبدل میں ہے ہر لحظہ عالم ویران ہوتا ہے اور پھر آباد ہوتا ہے

مثنوی

بہر ساعت شود پیدا جہانے	دگر بارہ زمین و آسمانے
-------------------------	------------------------

تو اب بھی عرض میں تھا کہ جب کہ سخت ہے تو بھی عرض
 ہے اور جب کہ کمزور ہوئے تو بھی عرض ہیں۔
 پس کسی حال میں ایسے عرصیت سے فانی ہوئی
 اور یہ کہیں ہیں کیا کہ عدم ہو جاوے گی بلکہ صفت تبدیل
 کرے گی جب کہ ان کی صفت اس طرح ہو جاوے کہ ہرگز
 تبدیل یا مائی جاوے گی پس حال لیا جائے کہ قیامت
 آئی۔ پھر کہا کہ کسی شے کی مستقل و صورت نرسنگی میں
 عدم ہو جاوے گی مگر وہ دیا کہ باری تعالیٰ کا رہنما
 پس بحر خدا کے کوئی موجود ہو گا۔ اور اللہ فرمائیے
 آج کے دن مادتاہت کسکے لئے ہے پھر آپ ہی جواب
 دے گا کہ واسطے اللہ قہار کے ہے۔ پھر سب زندہ
 ہو جاوے گی اور سوال کیا جاوے گا۔ پس حاشا چاہئے کہ حقیقت
 تمام موجودات کی حق ہے اور تعین موجودات حجاب
 ہو گیا ہے کہ اسے کو صورت لیا رہا ہے۔ اور
 یہ صورتیں اور لغات اس حقیقت پر عارضی ہے۔
 پس جب کہ جو چیز کہ عارضی تھی حاتی رہی حقیقی رہ گئی
 پس **لَمَّا كَانَتْ آخِرُ كُلِّ شَيْءٍ** لے لے آج کا ملک
 درست آیا اور جب کہ سوائے اس کے کوئی غیر نہیں
 ہے تو پھر جواب کو دے گا بجز اس کے کہ **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ**
الْحَيُّ الْقَيُّومُ (واسطے اللہ واحد قہار کے۔ یعنی
 ملک میرے لئے ہے کہ سوائے میرے کوئی نہیں ہے

جانتا چاہئے کہ قیامت عبارت قائم ہوئے ہی ہے۔
 اور قیامت کے نشانیاں شرع میں یہ ہیں کہ جس دن
 کہ تیرہ ہو جاوے آفتاب اور تمام ستارے اور جانا
 و سورج باہم مل جاوین و سب پہٹ جاوین اور ستارے
 ٹوٹ کر گر پڑیں اور پہاڑ پر آگندہ ہو جاوین اور مردے
 قبروں سے اٹھ بیٹھیں اور قمر کو خسوف ہو جاوے اور
 انکھیں تیرہ ہو جاوین یہ سب نشان قیامت کے ہیں۔
 اور تبدیل اعراض کی۔ مگر کسی جگہ ایسا نہیں فرمایا ہے
 کہ روح لتیر پاوے گی اور اس طرح سوگی بلکہ یہ فرمایا ہے
 کَمَا تَقْشُرُونَ تَمُوتُ لَوْنٌ وَكَمَا تَحْيَوْنَ لَوْنٌ تَقْشُرُونَ
 دیگر روح پر قائم و تعیش روار کہا ہے۔ اور پھر
 اُس کا حشر اجساد میں کہا ہے۔ پس یہ تمام تبدیلیاں
 اعراض میں کہیں نہ کہ جوہر میں۔ مگر اعراض کا وجود
 بھی فانی نہیں ہے کیونکہ اگر عرض نے ایک صورت
 چھوڑ کر دوسری اختیار کر لے سکوفانی نہیں کہہ سکتے۔
 بلکہ وجود میں باقی ہے۔ اور فنا اُس کا رنگ ہے نہ
 کہ اُس کی حقیقت۔ کیونکہ اگر آفتاب اوستارے
 سب تاریک ہو گئے تو اپنی عرضیت سے گر گئے ہرگز
 عرضیت ان میں باقی ہے۔ اسوقت بھی عرض تھی
 اور اب بھی عرض ہیں۔ اور اگر شمس و قمر جمع
 ہو جاوین تو یہ بھی عرض ہیں اور جب کہ جدا ہیں

کس طرح ہو سکتا ہے کہ ضمیر تھوڑی سی سیڑھی سے راج
 ہووے یعنی طرف لغتین کے لیں غامکر سے ہا لک ہے
 مگر وجہ اس شے کی کہ عمارت اس شے کے وجود
 سے ہے اور وہ حق ہے۔ باقی ہے۔ وگرنہ معنی اس
 کے کہ ہر روراش کی ایک شان ہے کیا ہے۔ لیں
 عا سا چاہئے کہ وجود حق ہے اور وہ وجود ہر دم ایک
 شاں میں ہے اور ہر شاں اس کی یحد دے ہایت ہے
 لیں وجود کے اس حال سے اس حال پر متغیر ہوئے کو
 قیامت نہ کہنا چاہئے۔ کیونکہ اس وجود کی شاں یہ ہے
 اتنی ہی ہے مگر آدمیوں نے وجود کی اس شان کو بہر
 سمجھا اور اس کا مرنا اور فنا ہونا اور قیامت نام رکھا
 ہے۔ بار آدم بر سر مطلب۔ کہ روح کو تغیر و تبدل پہلے
 ہے اور روح میں جسم ہے مگر جسم کی یہ صفت ہے
 کہ وہ ایسی ذات میں کہ دوسرے کی ذات میں تغیر
 اور تبدل ہوتا ہے۔ پس جسم کے تغیر اب کو قیامت
 کہتے ہیں۔ مگر یہ کسی جگہ نہیں فرمایا کہ وجود عدم ہو جاوے
 اور شمس نے ہی بہین فرمایا کہ ارواح اور احسام
 صا ہو جاویں گے۔ بلکہ یہ کہا ہے کہ احسام میں تغیر ہوجاتا
 ہے اور اس تغیر کا نام قیامت رکھا ہے۔ چنانچہ
 اس باب میں چند آیات واسطے نشان دہی کے تحریر
 کئے جاتی ہیں اور ان کے معنی بیاں کئے جاتے ہیں۔

پس مقرر ہوا کہ جو چیز کہ اس کا مبداء سے متعلق ہو۔
اور جہاں آئی ہے وہاں لوٹ جاوے کہ کل شئی برحق
اے اٹھلہ ہر شے اپنی اصل کی طرف رجوع ہوتی
ہے۔ جو کچھ مبداء ہے اجسام روح ہے لازم ہوا کہ
جسم پر روح ہو جاوے۔ کون و فساد کون و مکان
ہو جاوین جانتا چاہی کہ اس وجود کی اس نزول و عروج
کی سیر کو قیامت کہتے ہیں ورنہ ایک ذرہ بھی اس وجود
قانی نہیں ہے۔ پس جانتا چاہئے کہ وجود ایک ہے اور
وہ حق ہے اور سوائے حق کے کوئی موجود نہیں اور جو
کچھ ہے سب وہ ہے اور خلق و خالق ایک ہے اور وہ
خود اپنی ذات سے معین ہوتا ہے اور ہر بذات خود لا تعین
ہوتا ہے۔ ورنہ اس کی کیا معنی ہیں کہ کل شئی برحق
لشائے ہر دن اسکی ایک شان ہے و کل شیء علیہا
قانی برحق و جہل سر بیک و دمی الجلال و الارکس امر
جو کچھ زمین و آسمان میں ہے سب فنا ہوگا اور باقی رہیگی
ذات تیری پروردگار کی کہ صاحب جلال اور بزرگی ہے
اور جب وہ شان اول جاتی رہی کل شئی برحق اسکا
و جہل ہر شئی فنا ہونیوالی ہے مگر اس کی ذات ثابت
ہوئی۔ جب کہ پہلی شان جاتی رہی اور شان دیگر ہو اس
وقت الادجہ راست آئی۔ کیونکہ حیب کہ یہ فرمایا کہ کل شئی
قانی ہے مگر اس کی وجہ یعنی وجہ اس شے کے تو پہر یہ

اس جو کچھ اس روح کا خلاصہ تھا مراتب ارواح ہوا۔
 اور جو کچھ تھا وہ مراتب احسام ہوا۔ اور ارواح و احسام
 نے مقام لیا۔ یعنی آب ایسے میں مکاں پایا۔ پس روح
 محرک اور رندہ کرنے والے احسام کی ہے اور ایک
 قرار یہ قرار رکھتی ہیں۔ اور احسام کو بھی تغیر نہیں کرتی
 ہے۔ ابھی ایک صورت تمام نہ ہوئی تھی کہ وہ دوسری
 لیتے ہے۔ حب سے کہ یہ دونوں صفتیں اختیار کیں ہیں۔
 اس کی صفت یہی ہے کہ اس طرح ہو۔ پس دیکھو حب
 کہ روح محروم تھی اور ایسے میں سے احسام نہ پائے
 تھے ایک حال یہ تھی اور جسم و روح ایک جگہ جمع تھے
 سرگز مرق نہ تھا۔ حب کہ اپنی صفت کو، لاصت موصوب
 ہو گئی یعنی ایک صفت اس کی کہ متعیر و متدل نہیں ہوتی
 ہے۔ اور دوسری صفت کہ ایک صورت سے دوسری
 صورت میں نقل کرتی ہے اور مختلف شکلیں ساتی ہے
 اور ہمیشہ گردش کرتی ہے مگر اپنے میں۔ ہرگز عدم نہیں
 ہوتی ہے۔ کیونکہ سیر و حود کی وجود کی طرف ہے کہ عدم کی
 طرف۔ پس عالم کون و مسا کہ عالم اجساد و ظلمات
 ہے اور دنیا اس سے عمارت ہے عین عالم کون و
 مکاں ہے کہ ارواح دلوں ہے اور بہشت اور آخرت
 اس سے اشارہ ہے کیونکہ روح نے خود ایسی میں
 سے جسم اختیار کیا ہے۔ خود جسم ہے اور خود روح،

وجہ سے کہتے ہیں کہ کون عبارت ہے قبول کرنے صورت کی
 سے صورت دیگر کو اور فساد عبارت ہی رہا کر دینے صورت
 سے اپنی صورت کو۔ پس یہ عالم ہمیشہ کون و فساد سے۔ اور
 عالم ارواح ہمیشہ ایک حالت پر رہتا ہے۔ ہرگز متغیر و متبدل نہیں
 ہوتا ہے۔ اسکو عالم کون و مکان کہتے ہیں۔ یعنی صورت کو
 قبول کرتا ہے اور اس پر استقامت رکھتا ہے اور اسکو
 نہیں چھوڑتا ہے۔ پس کون عبارت صورت کے قبول کرنے
 سے اور مکان مراد استقامت سے ہے صورت کے لئے
 پس عالم ارواح کون و مکان ہے اور عالم احسام کون
 و فساد۔ اور عالم کون و مکان کو عالم آخرت اور بہشت کہہ سکتے ہیں
 اور اس عالم کو فساد کو قیامت اور دنیا کہتے ہیں پس
 حقیقت میں کون و مکان عالم ارواح ہے۔ کیونکہ عین
 روح ہے کہ جسم ہو گئی ہے اور صفت بدل لی ہے۔
 پس پھر جب کہ جسم اپنے کون ہونے سے فساد مطلق پاتا
 ہے البتہ روح ہو جاتا ہے۔ پس کون و فساد کون و مکان
 کون و فساد ہے اسے سبب سے کہا ہے اَحْسَاقِ اِحْنَا
 اِحْسَادِ نَا اِحْسَادِ نَا اِحْسَادِ نَا اِحْسَادِ نَا اِحْسَادِ نَا
 ہمارے روحین ہمارے جسم ہیں۔ اور ہمارے جسم
 ہماری روحین ہیں۔ اس میں کچھ فرق نہیں ہے۔ اور
 یہ سخن ساتھ کل کے ہے ایک کے ساتھ نہیں ہے۔ سبب
 کے واسطے ہے۔ پس جب جسم نہ تھا سب روح تھی

اور قسمت دیگر عرس سے شرعی تنگ ہے اور بصورت
 بسیار متلوٹل ہے اور اس وجود کی کہ فوق و تحت ہے
 کوئی شکل و صورت نہیں ہے سب ایک صورت ہیں
 اور یہ قسمت ہے کہ عرس سے ترے تنگ ہے اور بصورت
 سیار ہے۔ اور یہ اس وجود کی۔ قسمت ہیں۔ کہ ان کو
 روح اور جسم ہی کہتے ہیں۔ اور اس کو خواہر و اعراض
 اور ملک اور ملکوت ظاہر و باطن نور و ظلمت ہی کہتے ہیں
 اور ان دونوں میں سے ایک ایسے قدیم حال پر رہتا ہے
 اور دوسرا ایک سے دوسرے عالم گردش کرتا رہتا
 ہے۔ ہر دم اپنی صورت بدلتا ہے اور بصورت دیگر
 ظاہر ہوتا ہے۔ جو کہ اپنی حال پر قائم ہے اس کو جوہر
 کہتے ہیں اور جو کہ ایک حال سے دوسری حال پر
 گردش کرتا ہے اس کو عرض کہتے ہیں۔ اور نور خاص کر
 جوہر کو کہتے ہیں اور اس کو روح ہی کہتے ہیں اور ظلمت
 جسم کو کہتے ہیں اور عرض ہی کہتے ہیں۔ عالم میں جو کچھ
 موجود ہے جوہر ہے یا عرض ہے یا یہ دونوں ہیں ہے۔
 اور یہ دونوں کسی حال میں جمع نہیں ہیں۔ مگر انہی میں
 اگرچہ دوسروں میں ہی ہے مگر خاص انہی میں مرتبہ
 جامعیت کا ہے کیونکہ وہ مظہر جامع ہے۔ جانتا جانتے کہ
 عالم ارواح میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہے مگر اجسام
 ہمیشہ متغیر و متلوٹل ہیں۔ اور اس عالم کو کون و مصادک

صورتوں میں سے اور خاک و آتش و آفتاب اور بت
 جو کچھ ہے سب صورتیں ہیں اس کی صورتوں میں سے
 پس جب کہ لوگوں نے تنہا بت کو خدا جانا اور کلی کہا
 اس لئے منع فرمایا۔ کہ اس کو نہ پوچھیں کہ وہ سب سے منزہ
 ہے کیونکہ سب وہی ہے۔ اور جب سب وہی ہے تو منزہ
 سے اوصاف تو ن سے۔ ایک صورت کو نہیں کہہ سکتے کہ وہ
 ہی کیونکہ اگر ایک کو کہا جاوے کہ وہ ہے تو لازم آتا ہے
 کہ دوسرے اس کے بندہ ہیں۔ اور یہاں خود ایک
 سے زیادہ نہیں ہے جو کچھ ہے وہ ہے۔ پس اسم جامع
 کی دعوت کی اور کل کی طرف بلا یا مثلاً آدمی کے تمام اجزا
 یعنی ہاتھ پیر سر گردن پشت شکم و چشم و گوش زبان و
 دہان بینی و چشم و جان ان سب کو ملا کر انسان کہیں گے پس
 اگر کوئی مصر ہووے کہ انسان کا ہاتھ کلیۃ انسان ہے تو
 شخص پر کہ جو اس حقیقت سے واقف ہو کہ یہ جز انسان
 کا ہے واجب ہے کہ وہ اس کو آگاہ کرے کہ صرف ہاتھ ہی
 انسان نہیں ہے بلکہ ایک جز ہے اور اجزاؤں میں سے۔
 کل انسان نہیں ہے۔ ان تمام مجموعے اجزاء کا نام وجود
 انسان ہے پس اسی طرح سے جو شخص کہ اس وجود کے
 کسی جز کو خدا کی طرح پرستش کرے اور کل کی حقیقت
 سے غافل ہو تو اوں لوگوں پر کہ جو اس کی سی واقف ہیں و کما حقہ
 کی ہریت سی واقف ہیں لازم ہے کہ اوں کی دعوت کریں کل کی طرف اور

میں سہی اگرچہ وہی حقیقت تھی کہ لہو رت تمام ظاہر سوئی
 اول سہی وہی تھی اور آخر سہی وہی تھی۔ پس ہر اس وقت
 عروج کیا کائنات لائق اور حقیقت لقیات کو کما حقہ
 دریافت کیا اور ماہیت لائق کو معلوم کر کے لائق تک
 پہنچ گیا۔ اس حال کو اہل ظاہر معراج کہتے ہیں۔ اور دوسرے
 عبارتوں کے ایک معنی ہیں۔ عاںا چاہئے کہ جب حقیقت
 ایسی ہے تو حریٹل سہی وہی ہے قراں سہی وہی حق سہی
 وہی اور است سہی وہی ہے۔ اگر نہ کہا جاوے کہ جب
 حقیقت اس طرح ہے پس ادیوں کی دعوت کس
 واسطے کی کہ جب سب عین تھے اور حقیقت اس
 کی حقیقت حق کی تھے کیا ضرورت تھی کہ بت یرست اور
 آفتاب یرست اور آفتاب پرست کو ان کی یرستت سے
 منع کیا کہ اس سے مارا دیں اور خدا کی تعریف تشریف کے
 ساتھ لگی کہ اس کی عبادت کریں۔ عاںا چاہئے کہ جو
 شے کہ موجود ہے وہ ایک حریف اس کے وجود کے
 احرا دین سے۔ پس جب کہ تمام کو مقید نہ ابرا دیکھا
 ہر آئیہ تمام کی دعوت کی کہ سب اس کو جائیں۔ عاںا
 چاہئے کہ آگ اور آفتاب وغیرہ کو کیونکہ فی الحقیقت وجود
 ایک ہے اور جو کچھ ہے وہ ایک جڑ ہے اس وجود کے اجزا
 میں سے۔ ایک صورت سے اس وجود کی صورتوں
 میں سے۔ چنانچہ آسمان ہے ایک صورت ہے اسکی

ظاہر کر دے۔ پس اس کا نام لعین اول اور اس کا
 ناین اعتبار لعین نام ہوا۔ پس یہ دو لعین عبارت مرتبہ
 احدیت اور واحدیت سے ہیں۔ لعین اول کو احدیت اور ثانی
 کو واحدیت کہتے ہیں۔ یعنی جب کہ لا لعین دو لعین ہو گیا کہ
 لعین اول اور لا لعین۔ پس وہ لا لعین لعین اول میں آیا
 اور قوت کی اور جب کہ حرکت کی صورت افلاک اور عقول
 و نفوس کی ظاہر ہوئی۔ زمین اور عناصر اور دیگر موائیہ ثلثہ
 پیدا ہوئے۔ اول لا لعین کی قوت بصورت آسمان و
 عناصر موائیہ ثلثہ ہو گئی۔ اور ثانی قوت لا لعین و خالقیت
 ان صورتوں میں کہ پیدا کی۔ ہی پس افلاک کی گردش
 سے عناصر خمیر کئے اور موائیہ ثلثہ پیدا ہوئے اور موائیہ
 کی تغیر و تبدل اور آسمانوں کی گردش اور ستاروں کی گردش
 پیدا ہوا پس سب کا خلاصہ انسان ہوا جو قوت بدائع تھی
 انسان میں آدمی بعد از ان انسان بنی خلق کرنا پکڑا چیزوں
 کو کہ بہت سی اشیاء مخلوق انسان سے حاجت بیان
 کی نہیں انظر من الشمس ہیں۔ جب انسان نے اپنی من
 گردش پائی اور کمال پر پہونچا بمرتبہ نبوت فائز ہوا
 اور جب انبیا کمال پر پہونچے رسول ہوئے اور جب
 رسول کمال پر پہونچے اولو الامر ہوئے اور جب اولی الامر
 کمال پر پہونچے خاتم الرسل ہوئے پس وہ قوت لقیۃ
 ان تمام مراتب کے ساتھ تمام ہوئے اور خاتم الرسل

تہی کہ لقیات اور صورت لیا رکے ساتھ تصور ہووے۔
 لیس وہ قابلیت عمارت ارادہ اور علم اوس کے سے ہے
 جب اس میں ارادت و قابلیت تہی لقیات لیا رکے ساتھ
 متعین ہوا۔ جو کہ اس کی قابلیت یعنی ارادہ دے اس بات
 پر نہ کہا کہ وہ لائق ہے رہے۔ اور اسی مقام کے لئے احکام
 لے فرمایا ہے کہ حد ایرواحہ ہے کہ خلقت کو پیدا کرے
 اور محال ہے کہ حد ابے خلق کے ہووے۔ پس اگر وہ قابلیت
 قود سے فعل میں نہ آتی تو اس وجود کو نقصان لازم
 آتا۔ لیس لائق کا کمال یہ تھا کہ متعین ہووے۔ لقیات
 لیا رکے ساتھ۔ حیا کہ کہا کہ میں گنج یو ستیدہ تھا میں نے
 حیا ہا کہ بیجا یا جاؤں پس پیدا کیا میں نے خلقت کو۔ اور
 یہ بھی کہا ہے کہ ہر روز اس کی ایک شاں ہے۔ پس
 خاصیت اس لقیں کی یہی ہے ہر روز ایک شاں
 میں ہو۔ اور اس وقت سے کہ لقیات لیا رکے ظاہر ہوا
 ہے برائینہ ہو رہا ایک شاں ہے اور وہ ایک روز ہے ہاں
 کلائی اور بر رگی۔ حاسا چاہئے کہ اس لائق نے جب لقیں
 اختیار کیا تو وہ لقیں اول حقیقت محمدی ہے اور ایکو
 روح اول و عقل اول و مولا سے اول و عقل کل کہتے
 ہیں۔ ہر وہ ایک لقیں و لقیں کے ساتھ متعین ہوا۔
 اور ایک لقیں اسی رنگ و حالت پر لائق رہا اور دوسرے
 لقیں نے جو کچھ قابلیت لقیات کی اس میں تہی سعا کیلئے

بزرخ نہو تو کچھ فرق نہو اور یہ فرق ڈالنا محض حکمت ہی ہے حکمت نہیں ہے

منشی

حق فرستاد انبیاء را بہر این حق فرستاد انبیاء را باور حق پیش ز ایشان حکم کیاں ہی پیش ز ایشان ماہمہ کیاں بدیم گربہ وصلش دار سید محمد فضول	تا خدا اگر دواز ایشان کفر و دین تا اگر نیند دانہ ہار را در طبق مومن و کافر و مسلمان و جہود گس ندانستی کہ مانیک بدیم کے فرستادی خدا چندین رسول
---	---

محقق نہ ہے کہ سب اور تمام لقینات کا لائقین ہے۔ یعنی قبل
از لقینات یہ وجود لائقین تھا۔ لائقین عبارت ہرنگی
اور بے کیفی سے ہے اس کو ذات بحت۔ و سازج و وجود
مطلق و منقطع الاشارت و منقطع الوجودان اور ذات بر بلا
اعتبار گتے ہیں۔ اور یہ وجود ازل الازل سے ابد الابد تک
تھا اور ہر اور ہوگا۔ مگر اس وجود کے لئے ہر دم ایک شان
و لقین دیکر ہے۔ کبھی لائقین ہے اور کبھی اس میں لقین
پایا جاتا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ لائقین جز دیگر ہو بلکہ ایک ہے
وجود ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے اور کبھی ویسا۔ پس جاننا چاہیے
کہ لقینات سے پہلے یہ وجود لائقین تھا۔ یعنی ایک ہی لقین
پر تھا اور اس میں لقین دیگر نہ پایا جاتا تھا اور ایسا تھا
کہ دائیں بائیں اوپر نیچے آگے پیچھے کچھ نہ کہتا تھا۔ جو کچھ
تھا وہی ایک لقین تھا۔ مگر اس میں لائقین قابلیت اسکی

فرق اوٹھ جاوے دولوں ایک ہو جاوین ہر آئینہ خلق خدا
 کو ظاہر دیکھ ليوے بلکہ خلق نہوے اور خدا ہووے اگرچہ
 اب یہی ایسا ہی ہے۔ پس اگر دے ہووین تو احدیت اور
 واحدیت میں سے فرق اوٹھ جاوے اور تمام حق سے محو
 ہو جاوین اور وجود من لفظ لا رم آوے پس حقیقت میں
 اولی وجود کہ بمرتبہ وحدت ہے دولوں طرف تصرف کرتا ہی
 اور دولوں طرف متحرک ہے ہر آئینہ اگر یہ ہوں تو تمام وجود
 یعنی احدیت اور واحدیت دولوں معدوم ہو جاوین۔

اشعار

سدھاں اور ویرداں چاں
 اہل مارداں نور ایمہ
 ہنجو درکاں خاک دبیر اختلاط
 ہچیاں یک مقدور وی دامتہ
 یکہ رامست شیریں چوں شکر
 یم دیگر تلخ ہنجوں رہر مار
 پردو ماہم سپرندار تخت و اوج
 صورت برہم زدن ارہیم تنگ
 کیسہ ہلاشتہ بائیر میکند
 موجاںے جنگ سر شکل دگر

درمیاں و شاں برج لایعیاں
 درمیاں شاں کوہ قاف الیمتہ
 درمیاں شاں صدیا مان رما
 مختلط چوں مہاں یک شتہ
 طعم ستیریں رنگ رویت چوں
 طعم تلخ و رنگ مرطلم قیر وار
 بر مثال آب و یا موح موج
 اختلاط جاں ہادر صلح و جنگ
 موجاںے صلح برعسم بیرند
 مہر مارا می کب زبیر و بر

اور اس وجود میں فرق ڈالے والا ہی سرخ ہے۔ کیونکہ اگر

منہود دنیا اور عقیلی کی نظر آتی ہے۔ اور حقیقت میں موجود ہیں
 ہیں۔ اور وجود خاص کے نقطہ وحدت کے لئے ہے اور وجود
 اس دائرہ کا بحر نقطہ کے نہیں ہے لیکن نظر میں ایسا ہی
 دکھائی دیتا ہے۔ پس جانتا چاہئے کہ سوائے حق کے دنیا اور
 عقیلی نہیں ہے اور جو کچھ ہے وجود حق کا ہے اور یہ تمام نام
 حق کے ہیں۔ کہ اپنے اوپر رکھے لئے ہیں اور کثرت میں ظاہر
 ہوا ہے۔ جہاں نام ہے اس کا نام ہے اور جہاں کوئی ذات
 ہے اس کے ذات سے مگر یہاں چند سوال واقع ہوتی ہیں
 وہ معہ جواب کے لکھے جاتے ہیں۔

سوال پہلا۔ جب کہ حق عین اشیا ہے پس وجود پیغمبر و ان
 کا کیا ہے اور مشرع کس واسطے ہے اور بنیوں نے دعوت خلق
 کس لئے کی کیونکہ جب سب حق ہیں تو دعوت کی کیا حاجت کیونکہ
 دعوت بجز غیرت درست نہیں۔ اور جب کہ تمام حق ہے تو
 اس کی حاجت نہ تھی کہ اپنی طرف خلق کو رجوع کرے۔

جواب پہلا۔ جانتا چاہئے کہ انبیاء و رسل کا وجود محض حکمت ہے
 اگر دے نہ ہوتے تو تمام آدمی ناقض رہتے۔ پس انکی دعوت
 برحق و درست ہے اور اسکا وجود بمرزخ ہے درمیان خود
 اور امکان کے اور درمیان وجود اور عدم کے اور درمیان احدا و احدیت
 کے یعنی واسطے درمیان بندہ کے اور خدا کے کہ انہیں دونوں صفت پائی
 جاتی ہیں کہ احدیت سنیف حاصل کرتے ہیں اور احدیت میں پہونچاؤ
 میں اگر اولی کا وجود نہ ہو تو احدیت اور واحدیت

اصل تیسری

عقنی کی حقیقت اور اس کے سوالات کی تردید اور اثبات
وحدت وجود اور علمی اشیت میں دیا جاسا چاہے کہ دنیا
حال ہے اور عقنی استقبال ہے اور حد جامع ہے ان
دولوں احوال کا۔ یعنی وجود دیا اور عقنی کا حق ہے اور
سوائے حق کے کوئی موجود نہیں اور تمام اشیا حق سے اور
دنیا و آخرت دولوں اور اعتباری ہیں اور خاص کر مصلحت
وجود کے لئے ہیں اگر دیدہ اعتبار سے دیکھا جادوی عقنی ہیں
دیا ہے اور دیا ہیں حق ہے نہ دیا کا وجود ہے نہ عقنی کا
کیونکہ دیا ماضی ہے عقنی استقبال ہے اور وجود حق حال
ہے۔ پس اہل تحقیق کے نزدیک وجود حال کے لئے ہے
کیونکہ ماضی گزر گیا اور استقبال سے ہیں وجود حال امر
اعتباری ہے۔

بیت

جو ماضی نیست مستقل بہ وسال جہ استدعیر ایں یک نقطہ حال

یہں جاسا چاہے کہ نقطہ حب گردن کرتا ہے دائرہ معلوم
ہوتا ہے۔ حیا کہ نقطہ آتش کی سیر دائرہ آتشیں دکھلائی
دیتی ہے۔ در حقیقت وجود ہی نقطہ ہے نہ دائرہ بلکہ دائرہ
موجود نقطہ ہے وجود خارجی نہیں رہتا ہے۔ اس طرح سے حال
کی گردش سے ایسی دات میں ماضی و مستقبل دکھلائی دیتی
ہیں۔ یعنی وجود واحد کی میر سے کہ دات حق اور نقطہ وحدت

و جو دیگر ننگ ہوتا۔ کوئی جز نہ پہچانا جاتا اور یہی سبب ہے کہ جو
 کوئی کلیتہً خواستگار وجود کی یگانگی کا ہوتا ہے وہ ذاتِ محبت
 کو دیکھتا ہے اور اضافتِ معرفت کی اٹھ جاتی ہے اور کوئی
 اضافت نہیں رہتی ہے۔ جو اسطرح یگانگی کے۔ پس جانتا چاہئے
 کہ یہی سبب ہے کہ ریگ بیابان و قطراتِ باران اور برک
 درختوں کے کوئی نہیں شمار کر سکتا کیونکہ ان تمام کی یگانگی
 ظاہر ہے۔ اور تمام وجود اسی واسطی نہیں پہچان سکتے کہ
 سب ایک جز ہے۔ اور ہر جز عین تمام جز ہے۔ جانتا چاہئے
 کہ کمالِ دانش اس وجود میں یہی ہے کہ اس وجود کو جب تک
 ہے نہیں پہچان سکتے۔ کیونکہ اگر اچھی طرح سے دیکھا جاوے
 سب ایک حقیقت ہے اور ایک حقیقت میں اصلاً معرفت
 نہیں ہوتی کیونکہ معرفت دوسری کو چاہتی ہے۔ اور جب کہ دو
 جز نہیں تو ہر آئینہ معرفت سے بجز ہے جانتا چاہئے کہ یہ کلام
 تمام ہوا اور اس سے زیادہ معرفت متصور نہیں مگر علم

قلم اینجا رسید و سرشبست

مثنوی

بس کم گراں سخن افزون شود	خود جگر چہ بود کہ خار اخون شود
بس کم چون زیر کانی بس	بانگ زد و کردم اگر در دہ کست
بس کم چون دلیر آمد و خطاب	کوش کن واللہ اعلم بالصواب

مقصود اس تمام عبارت سے یہ ہے کہ جاننا چاہئے کہ وجود
سجد و بہایت ہے اور ایک سے زیادہ نہیں ہے اور تمام اشیاء
عین حقیقت ایک دوسرے کی ہیں۔ اور ہر نقصان میں ہزار کمال
اور ہر کمال میں ہزار نقصان ہیں۔

مثنوی

پس زیادہ تہا درون نقصان است	مرتبہ ہدا را عا اندر فہام است
لغصہ آئینہ وصف کمال	ہست الورا حائل تنزل برطل
در شب تاریک لیس شکی لود	آب حیواں جہت تاریکی بود

اور کسی نے اس وجود کو ذروں کو شمار نہیں کیا ہے کہ کتنے
ہیں چنانچہ درختوں کے پتے جنگل کی ریت مینہ کے قطرے
اور آسمان کے ستارے اور عدد و لغوس مخلوقات و علی ہذا
لقیاس محال ہے کہ کسی انسان کے علم میں یہ سب ہوں
اور نگو معلوم ہے کہ کس سبب سے معلوم نہیں ہے۔ سنا
جانا چاہئے حیا کہ اوپر مذکور ہوا کہ تمام احوال ایک حال
میں محال ہیں۔ کیونکہ اگر ایسا ہو تو کوئی حال میر ہو۔ اسی
طرح سے تھے درختوں کے ایک جگہ ہیں اور سب سے ایک جگہ
کے ہیں اس سبب سے شمار آن کا محال ہے۔ اسی طرح
سے تمام ریت اور تمام قطرہ بارش کے کہ ایک جگہ اور
برگرتے ہیں اور ایک دم لطر میں آتے ہیں یس محال ہے کہ علم
ان چیزوں کا پیدا ہو سکے۔ کیونکہ سب جبر ہیں۔ اور اگر یہ

حالت جوانی سے محال ہے کہ کوئی آگاہ ہو وے اور اگر
حالت جوانی میں حالت پیری سے آگاہ ہی ہوتی تو پیر کہلاتا
نہ جوان اور یہ نام تینوں حالت میں نہ رکھتے۔ جب تمام
احوال تجھ پر گزر رہا ہے ایک بلا دوسرے کے نہیں پہنچتا
ہے۔ محال ہے کہ سب ایک جگہ پہنچے۔ جیسا کہ اس
معنی میں کہا گیا ہے۔

مثنوی

از حقارت در ز فاقہ منکسیت خندہ زوہر کار ابلیس لعین تو میندانی ز اسرار خفی کہ در از بیخ و ازین بر کند صد بلبس تو مسلمان آورد این چنین گستاخ نہ اندیشم و گر لافتا بالعلوم و بالفتا جسم مامر جسم مارا راہ زن بے امان تو کسے چون جان برد	گفت آدم با بلیس کو شقی است خویش بینی گر چه آمد خود زین بانگ زد از غیرت حق کا صغی پوستین را باز گونہ گر کند پیر و گدای آدم آنکہ پیر و گفت آدم توبہ کریم زین نظر باغیات المستغین اغنا ریخت مار ریخت مارا راہ زن دست ما چون پای مارا میگزود
--	--

معنی در از ہوا اور مطلب سے دور ہو گیا لہذا باز آدم پر سر
مطلب کہ اشیاء عین حق ہیں اس وجہ سے نہیں پہچانی جاتی
اور جو اسطے اس کے کہ تمام اشیاء عین قضا ہیں اور جو
قضا کچھ ہو جو دہن میں ہے قضا سے ہی آگاہ ہی نہیں ہے۔

آدمین برائینہ عالم قوہ سر ہے۔ اور جس کہ عالم قوہ سر ہے تو عالم
 فعل ہی رہیگا۔ کیونکہ۔ ولوں کا مدار ایک دم سے ہے۔ پس
 محال ہے کہ کوئی قضا سے انکار ہووے۔ اور وہ عالم غیب ہو
 نہ غیب بلکہ مستہادت ہووے۔ پس مرید مراد عدم سے ہے
 اور اگر لفظ حقیقت کیجاہ سے لے لیا ودا کیا امر ودا کیا پیرور یہ
 سب عارت ہے نہ حقیقت کیونکہ جس وقت سے کہ خود کی
 صبح طلوع ہوئی ہے دل میں ہوا ہے وہی ایک صبح ہے کہ موجود
 ہے۔ اور یہ وجود ماسا دریا کے ہے کہ رواں ہے اور بہا بہت ہیں
 رکتا ہے اور اول و آخر ہی ہیں رکتا ہے۔ پس کیا پانی اس
 دریا کا جیسا کہ خود استاد ہے تمام دریا کے پانی کے ساتھ ایک
 ہے اور کیا یہ پانی کہ اب سامی ہو رہا ہے اس پانی کے ساتھ
 کہ اس سے جد و جگہ پیچھے ہے ایک جگہ گزر رہے برائینہ محال
 ہے کہ ایسا ہووے کیونکہ اس پانی میں اور اس میں شد و قوت
 ہے کہ وہ پانی اس پانی میں لے کیونکہ اس پانی سے اس پانی
 تک بہت فرق ہے کیونکہ دونوں پانیوں میں بہت سا پانی
 ہے پس گل نہیں ہے کہ دونوں ایک ہو جاوین اس سبب
 سے کہ تمام پانی ہے اور فی الحقیقت کوئی حصہ اس پانی کا اثر
 یا بنے کے غیر نہیں ہے۔ لازم ہے کہ ایسی وقت میر یہ ہی گزر
 اور وہ ہی رہے۔ پس محال ہے کہ تعبیر از حوالی ہنگام تیر ہی
 میں گزرے اتنے حالت طفلی میں۔ کیونکہ اگر عقل بچہ ہون
 کئی مہینے کوئی کوڑک نہ کہتا پس۔ حالت طفلی میں

میں یہ محال ہے کہ تمام آدمی سر قضا سے آگاہ ہو جاوین اور راضی
 نقضا ہو کر کچھ اختیار نہ کریں اور مثل پتھر کے اپنے تئیں مجبور کریں
 اور کوئی کام نہ کریں جو کچھ کہ قضا چاہے کریں۔ ہر آئینہ یہ آگاہی
 اس بے خبری کے برابر ہے کیونکہ جو واقعہ کہ شذنی سے وہ ضرور
 ہو کے رہیگا نہ یہ کہ جب کوئی آگاہ ہو جاوے اس پر نگذرے
 اور اسکی خواہش کے موافق رد ہو جاوے یہ محال ہے پس
 جب کہ رد نہ ہوگا تو جاننے سے کیا حاصل بلکہ جاننے سے کام میں
 تعطل لازم آتا ہے۔ پس حکمت اسی میں ہے کہ کوئی آگاہ نہ ہووے
 کہ وجود معطل بلکہ عدم ہوتا ہے۔ بالفرض اگر ایسا ہو۔ پس تمام
 آدمی حق کو آشکارا دیکھیں اور کوئی حجاب و پردہ درمیان
 میں نہ ہووے۔ کس واسطے کہ اگر تمام آدمی خدا کو آشکارا
 نہ دیکھیں پھر تعطل وجود لازم آتا ہے۔ کیونکہ حقیقت وجود یہ ہے
 کہ تمام اشیا عین حق ہیں اور باطن و ظاہر ایک ہے وجود اس
 شخص کا خدا ہے ہر آئینہ ایسا جاستے سے انتظام عالم خراب
 ہو جاتا۔ کیونکہ خدا وجود کا اسپر ہے کہ ایک ہو۔ اور ہزار دیکھا
 دے اور ہزار ہو اور ایک دکھائی دے ہر آئینہ جب کہ حقیقت کی مشابہت
 ہوئی جانا گیا کہ وجود حق کو ہے اور تقنیات کا وجود اعتباری
 ہے۔ اگر تمام آدمی اس بات سے آگاہ ہوتے وجود کے انتظام
 کا سلسلہ درہم و برہم ہو جاتا پس حکمت اسی میں ہے کہ کوئی
 اپنی حقیقت سے آگاہ نہ ہووے۔ قضا عبارت ہے اس حوال
 سے کہ عالم قود میں ہے۔ اگر تمام احوال اسی وقت تعطل میں

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ فرمایا میں نے علی
 اللہ علیہ والہ وسلم کے مرگ علی کا اسکے علام کے ہاتھ ہے علام
 نے نہ وقت یہ مات سی حدیث میں آنکر عرص کی کہ میں ایسا
 حوں ایکو کل کیا میں نہیں چاہتا ہوں کہ حوں ایکامیر سے اور
 ہوا سئلے آپ تمہکو مار ڈالو۔ مرثیہ لے لے کہا اسے علام حب
 مجھ اس مات کی اٹھا ہی ہو گئی کہ قصا اوپر میرے واقعہ ہوئی
 تو میں تمہکو نہیں مار سکتا یہ بات محال ہے کہ میں زندہ رہوں
 اور تو مر جاوے۔ حیا کہ مولا مائے تنوئی میں فرمایا ہے

تنوئی

گفت پیغمبر گوش یا کر م
 کرد آگ آں رسول اردو حی دوست
 او ہی گوید بکشت بیست را
 من ہی گویم کہ مرگ من رست
 او ہی افتد پیشم کہ کریم
 تا یاد رس این احسام بد
 پہنچ لقتے نیست در حاکم ر تو
 گفت دشمن را ہی عیم نہ خیم
 ترا نہ مرگم پہچون حوست ترست
 بار آمد کالے علی رود دم بکشت
 من حلات میکم حوخم بریر

گو مرزد رور سے گردن اس
 کہ پانچم عاقبت اردست آست
 تا سیاہ از من مسکر خطا
 ما قصاس چوں تو اکم جیست
 مرا کس از برای حق دویم
 تا بسور و جاں من بر حال خود
 را کہ این را من میدا کم تو
 رور و شب روی یادم حیم
 مرگ من در لعت حکم بد
 تا نہ بیم آن دم الوقت ترست
 تا نہ میداشتم من اس رست

حال میں نہیں جان سکتا ہے اگر حال میں مستقبل کو جان
 ہر آئینہ اس حال کو ہی مستقبل پاوے اور حیب ایسا ہوا پس
 مستقبل نہوا بلکہ حال ہوا۔ پس اسی سے نفعی حال کی یا استقبال
 کی لازم آتی ہے ورنہ محال ہے کہ استقبال کو حال میں لاوی۔
 اور حال مثل نقطہ وحدت کے ہے اس میں ہرگز دو ہی نہیں
 سماتی ہے۔ جب وہ نہیں ہوئے تو امروز فردا نہوئی۔ اور حکم
 فردا محو ہو تو قضا بھی محو ہوئی۔ کیونکہ اگر کسی کو علم فردا کا ہو
 تو وہ نہ علم فردا کا ہے بلکہ علم امروز کا ہوا۔ کیونکہ امروز گزرتا
 والا ہے اور حیب امروز گزر جاوے گا تو روز دیگر البتہ
 حال امروز کا نہوگا بلکہ حال فردا کا ہوگا۔ محال ہے کہ کوئی
 فردا سے آگاہ ہووے کیونکہ اگر آگاہ ہووے وہ فردا امروز ہو
 پس جانتا چاہئے کہ مقتضائے حکمت اس وجود کا یہ ہے کہ کوئی
 قضا سے آگاہ نہوے۔ کیونکہ اگر آگاہی ہوتی ہو تو تمام عالم خراب
 ہو جاتا۔ اور وجود برہم ہو جاتا۔ اور کوئی کام عالم میں واقع
 نہوتا۔ مثلاً اگر کوئی واقعت ہو تا کہ میرا مال چور لے جاوے گا
 تو وہ اسکے درپے ہو تا کہ قضا کو پھیر دے اور یہ محال ہے کیونکہ
 تمام میں یہ خلل واقعہ ہوتا اور وجود مہطل رہتا۔

مثنوی

طفلکان خلق را سر می رلود
 بے عدد نوش بیگناہان بدل

بچہ فرعونے کہ موسیٰ شہتہ بود
 آن عدد در خانہ آن کور دل

مثنوی

بار در باغِ دریا ہم زماست
نشسته از دریا جدائی می کسی
اے ہمہ دریا یہ خواہی کردم
بیچ محتاج می گلگوں نہ
ای مدت مال یہ خواہی کردم

ایں سخن داد کے آشنات
بر سر کعبہ گدا سے می کسی
اے ہمہ ہستی یہ می خواہی علم
ترک کس گلگوں نہ تو گلگوں نہ
ای مدت پیش رویت روی زرد

اور متاخر مایا کہ محبت محبوب چوتھے ہیں ایسے محبوب سے
تواسطہ محبت کے کسواسطے کہ محبت ایک واسطہ اور میاں محبت
اور محبوب کے۔ اور واسطہ محاب اور سدا ہے اور
طلب روا ہے

ارباعی

مستوق حیان لود و نمیدالستم
گفتم لطلب مگر بجائے کہ رسم
رورت تو لودم و نمیدالستم
والنتہ لودم بخود کہ میں لودم

ماں بمیان لود و نمیدالستم
خود افرقہ آن لود و نمیدالستم
شب ما تو خودم و نمیدالستم
میں جلد تو لودم و نمیدالستم

ایں حاسا چاہئے کہ یہ سبب عیبت کے ہے کہ کوئی شری مسلم
عیبت اور علم عیب کو ہیں حاسے اور تمام اشیا کو علم قضا
ہی اسی واسطہ پہن ہے کیونکہ قضا ایسا امر ہے کہ اس کا
تعلق استقلال کے ساتھ ہے۔ یں کوئی شخص مستقل کو

کو تاد اور معنی دراز ہیں ورنہ زیادہ بیان کیا جاتا۔

نظم

نہ اشارت مگر تو ان دانت	کہ بھمہ کسے بگفت این راز
این سخن راز بان نمی داند	جان آگہ ز لغمہ این ساز
این سخن را تو گشتوی محرم	سر کجا بشنوی این آواز
کہ ہمہ سرچہ سہمت دوست بہین	دوست را بے حجاب پوست بہین

پس جاتا چاہئے کہ جب تک پہچانا در بیان میں ہے منور شرکت
باقی ہے اور جب تک پہچانتا ہے کچھ غیریت باقی ہے۔ یہی
وجہ ہے کہ تعینات کو غیر وجود کہتے ہیں اور وجود وحدت
کو منشاء اکثریت بھی کہتے ہیں۔ کسو اسطے واحدت بواسطہ کثرت
کئی محضاً فاجبت ان اعرف فحققت الخلق ۱۵ کے ہے۔ جاتا
چاہئے کہ وجود عینی کہ عینیت حق ہے کچھ خطا میں محو تھا۔ یعنی
جب تک عین تھا خدا نہیں ہو سکتا تھا پس اپنی طرف
خلقت کی تھا کی تاکہ پہچانا جاوے۔ یعنی جب کہ ارادہ پہچان
نے کا ظاہر ہوا یہی ارادہ وجود غیر ہوا۔ اور اس غیر ہونے
کی وجہ اعتباری ہے مگر جب کہ انسان مرتبہ توحید میں کمال
غیریت تک پہنچ جاتا ہے اس غیریت اعتباری کو بھی نہیں
دیکھتا ہے اگر پہچانتے کو اور دیکھنے کو ہر طرف کرے تو اس
وقت عینیت وجود کی نظر آوے۔ کیونکہ دیکھنا خالی علت
سے نہیں ہے۔

قسم باطل باطلان را می کنند

نوریاں مر نوریاں را طالع اند

اماں اور اماں سہ جوتند

ناریاں مر ناریاں را حال اند

حب اس جگہ یہ بات مقرر ہوئی کہ تمام اشیاء حق ہوا سئلے بہر
 پہچان سکتے کہ عین حق ہیں اور کوئی چیر عین ایسے کو کا دھتہ ہو
 پہچان سکتے۔ ہر آئینہ اس جگہ ایک دوسرا سوال پیدا ہوتا ہے
 اور وہ یہ ہے کہ بہت سے آدمی من کہ خدا کو پہچانتے ہیں تو اس
 سے لازم آتا ہے کہ غیر حق من۔ جواب اس کا نہایت سخت
 و دقیق ہے کہ بیان پر عقل ہی حیراں ہے لیکن چونکہ فردی
 سے لہذا کہا جاتا ہے۔ مانا یا ہے کہ جو شخص کہ اسکو پہچانتا
 نہ فرانس کا ہے اور۔ اسکو پہچانتا ہے ملک میں اس کا ہے سر
 وہ اپنے تئیں آپ پہچانتا ہے مگر وہ شخص کہ ساسندہ اور
 عارف ہے وہ ہی نہیں، میں ایسے کو کہ حق ہے بہین پہچان
 سکتا۔ کہ حق ہے کیونکہ اگر دیکھتا ہے تو ہر الجینہ غیرت لازم
 آتی ہے۔ حب کہ دیکھنا ہی اٹھ گیا تو اس وقت میں ایسے
 کو دیکھا بلکہ دیکھا کیونکہ دیکھا میں ایسے کا محال ہے اور
 حب کہ میں اپنے آپ ہی تو کیا حاجت دیکھنے کی ہے۔ پس
 جس نے کہ دیکھا۔ دیکھا اور۔ جس نے دیکھا اس نے دیکھا۔
 اسلئے کہ حب کہ دیکھا کہ خود لاسی ہو گیا اور حب کہ لاسے دیکھا
 اس کا اغیار نہیں ہے۔ کیونکہ کلام اس میں تھا کہ کوئی حیر
 ایسے عین کو نہیں دیکھ سکتی۔ مانا یا ہے کہ یہ بات بہت
 دقیق ہے اور دماغ سے ادا ہونا محال ہے اس کی عبارت

ہر آئینہ ہم نہیں ہیں سب وہ ہی ہے۔ اور نام ہم کا صرف بقیم
کے واسطے ہے ورنہ کیا حاجت کہ ہم دیباچہ میں آوے۔
اگر ہم وہ ہیں۔ وہ ہم ہے۔

مثنوی

توئی دمن ہم تو ام ای محشم	بو علی بودے علی را چون کشم
بس کم چون این سخن افزوان شود	خود جگر یہ بود کہ خارا خون شود

پس جاننا چاہئے کہ معیت ہر چیز کی اس کے جنس کے ساتھ
نہیں ہوتی ہے۔ اور حق نے اپنے کلام میں معیت ذاتی اشیاء
کے ساتھ بیان فرمائی ہے ہر آئینہ خلق و حق ایک ہوئے
اگر خلق میں خالق نہوتی تو حق کو خلق کے ساتھ معیت ذاتی
نہوتی۔ اس کو عقل تسلیم نہیں کرتی ہے کہ معیت حق کے ساتھ
ہو کو ہی پسند اپنے غیر جنس کے ساتھ نزدیک نہیں ہوتی

مثنوی

آئینہ دل چون شود صافی و پاک	نقشہا بینی بدون ازاب خاک
ہم بہ بینی نقش و ہم نقاش را	فرش دولت را ہم فراش را
چون خلیل آمد خیال یارین	صورتش بت معنی ادب شکن
اد جیل سب و یکے الجال	کے جوانی نو گزیند پیر ال
خوب خوبی را کند جذبان بد	طبیات طہین روی بخوان
در جهان ہر چیز چیزی را جذب کرد	مگر گرمی در کشید و سرد

شے کے پہچاننے کی وہ ہیں ہے کیونکہ پہچان اس چیز کے
 لئے ہے کہ ہمارے اور اس کے درمیان مغایرت ہو۔ جب کہ
 حقیقت واقع سے پہچان و رفع ہوئی۔ اس اعتبار سے ہمارا اہل
 میں عام ہے۔ کیونکہ اگر کوئی کہے کہ حق میں ہمارا ہے اور ہم میں
 حق میں تو یہ بات کہاں سے کہی جاسکتی ہے کہ ایسا ہے۔ ہر ایک
 کہا جاسکتا ہے کہ اگر اسکو ایسی سے خارج میں تلاش کرنے پر آمادہ
 نہ پائے اور اس کی معرفت سے عاجز ہوتے۔ لیونکہ جو چیز کہ ہمارا
 اور اسکو درمیان میں مغایرت ہے البتہ اس کو کوشش اور
 توجہ سے پہچان سکتے ہیں پس جان لیا ہم نے کہ وہ عین ہمارا
 ہے کیونکہ ایسے میں کو نہیں پہچان سکتے اور کسی وجہ سے نہیں دیکھ
 سکتے کہ محال ہے۔ اور کیا حاجت ہے ایسی شے کے دیکھنے
 کی کہ عین ہماری ہے۔ اور حد اکو اشیا کے ساتھ معیت
 ذاتی حاصل ہے۔ کہ علی صبا کہ کہا گیا ہے **وَاللّٰهُ يَكُنُّ مَعَكُمْ**
فَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُنُوْا مَعَهُ وَابْتِغُوْا مِلَّةَ الْاَبْدَانِ
لَوْ كُنْتُمْ اِلٰهًا لَمَّا تَبَوَّاتِ الْاَسْرَافُ ۚ كُنْ اَقْرَبُ مِنْكُمْ
لٰكِنْ تَبْعُوْا ۚ یعنی میں تمہارے ساتھ تم سے زیادہ قریب ہوں
 لیکن تم مجھکو نہیں دیکھتے ہو۔ پس معیت ہمارے ساتھ کس
 طرح ہے۔ کہ تم نے عایت قدس اپنے تئیں کم کر دیا ہے۔
 پس ہم اس چیز کو کہ ہم سے زیادہ ہمارے ساتھ نزدیک ہے
 کسی طرح یادیں اور وکن لاتبعدون اس وجہ سے ہے
 کہ عیدت اس کی ہمارے ساتھ ہم سے ہیں زیادہ پابانی جانی

کے پاس نہ جاوے۔

اشعار

<p>روئے اوزالو دگی ایمن لو می نماید سیر کونین آشکار تو ہی جوید ضیاء بقیاس تا چه رنگم باکر و زم یا چو شب بیج می نینود نقشم از کسے تا بد اند هر کسی کو چسیت کسیت ایئنه سماعی جان شکنی بہارت روئی آن یار سے کہ شد در کوئی این دل نادیدہ غرق دیدہ شد دیدم اندر جسم تو من نقش خود ذات خود را از خیال خود بکن کہ منم تو۔ تو منی از اسخاد گر بہ بینی آن خیال و آن برد</p>	<p>چونکہ موسن آئینہ موسن بود لوح محفوظ است پیشانی یار آن تقاضای دو چشم و دل نشان گر بہ بنیم روی خود را این عجب نقش جان خویش می جتم بے گفتم آخرا ئینہ از بہر حسیت آئینہ این از برای نقشہا آئینہ جان نسبت الاروئی یار دیدہ تو چون دلم را دیدہ شد ایئنه کلی ترا دیدم ابد گفتم و ہم کان خیال تست مان نقش من از جسم تو او از داد در دو چشم غیر من تو نقش خود</p>
--	---

پس جاتا چاہے کہ نہ دیکھنا اور نہ جاننا اشیا کا عین حق اس
سبب سے ہے کہ تمام اشیا عین حق ہے اور کوئی چیز اپنی عینیت
کو نہیں دیکھ سکتی۔ کیونکہ جو شخص اپنے تئیں دیکھتا ہے
ہر ایئنه وہ اپنے تئیں نہیں دیکھتا۔ پس عین اپنی کو کا حقہ نہیں
دیکھ سکتا اور نہیں پہچان سکتا اور کیا عاجب ہے اس

- ملائک - شیطان ہے - مالک - رحمہ ہے - عذاب - صواب
 - عقاب - مراد ہے - میراں - رقوم ہے - میراں - عمل ہے - قتل
 - صیاد ہے - صید - مرع ہے - دانہ - جنگل ہے - حارہ - معمورہ ہے
 - دیرانہ - آگ ہے - کباب - طعام ہے - تراب - شاہ ہے
 - فقیر - آزاد ہے - اسیر - مرد ہے - مردہ - حواجر - مدہ -
 سیارہ ہے - بخت - سلطان ہے - تحت ہر آئینہ جو کچھ تئیں و لتقد
 و تکرر ہے کچھ نہیں ہے - سب کا وجود وہی ہے - حقیقی وجود حقیقی
 بحر حق کے تکیو نہیں ہے - اس اعتبار سے کہ سب کو غیر خیال
 کر دیکھ نہیں اور اس اعتبار سے کہ سب کو سب ہیں وہی
 ایک حقیقت ہے کہ مختلف طور پر ظاہر ہوئی ہے اور بہت سی باتیں
 اختیار کر لی ہیں - مادہ و کثرت ایک ہے اور مادہ و کثرت ایک ہی
 ہی مرد کل جو چہ ہے سب وہی ہے - وجود غیر اختیار ہی ہے
 اور یہی وجود تمام لغات میں سارے ہیں -

سوال چہارم سب کہ وجود ایک ہے اور سوائے حق کے کوئی
 موجود نہیں تو پھر اس میں کیا حکمت ہے کہ تمام آدمی اس - از کو
 نہیں جانتے اگر یہی بات ہے تو چاہئے تھا کہ سب کو یہ معلوم
 ہوتے کہ امتیاز میں حق ہیں اور حق میں اشیا ہے - اور علم عین و علم
 فقہا ہی اشیا کو لازم ہے اور صورت و حدت ہوئے وجود کے مگر
 ہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ قول درودع ہے -

جواب - عاں اس بات کا کہ امتیاز میں حق ہے اس سے
 ہے کہ حق عین اشیا ہے - کیونکہ جو چیز کہ ہے وہ ایسی عین و اس کو

اچھے ہی ہے۔ پس جاتا چاہئے کہ احمق لوگ اپنے تئیں غیر دیکھیں
جیسا کہ کہا گیا۔

ملو می

<p>دید ہر دیوار و حیران شد تاب بہر کان عکس خورشید نماست دید دیوار سے سپہ ماندہ بجا سایہ کے گرد و راسد مایہ مرغ حیران گشت بر شاخ خست انہست باطل نیست پوشید عجیب خار بنخو ر خار پیوستہ گل بست</p>	<p>بچون آن ابلہ کہ تاب آفتاب عاشق دیوار شد کہ این چہ است چون باطل خویش بوستان ضیا بچون صیاد کے کہ گردی سایہ سایہ مرغی گرفتہ چرو سخت کاین مرقعہ ہر کہ می خند و عجب گر تو گوی جزو پیوستہ گل بست</p>
---	---

مقصود ان تمام تمثیلات سے یہ ہی معلوم ہو جاوے کہ سوائے حق
کے موجود نہیں جو کچھ ہے وہ حق ہے۔

سب سے

کثرت چونیک درنگری عین وحدت ۱۱ ہمارے نمائندہ اگر دین تنگ بست

نہ لغیر ہے نہ تبدیل نہ آخر ہے نہ اول نہ ظاہر ہے نہ باطن تمام ایک
چیز ہے۔ اور اس ایک چیز میں سے اضافت اور اسما و ساقط ہے
پس نہ آسمان ہے نہ زمین نہ مکان ہے نہ مکین نہ نور ہے نہ ظلمت
نہ اندوہ ہے نہ کلفت نہ رنج ہے نہ راحت نہ سیاہ ہے نہ سفید
نہ خوف ہے نہ امید نہ گہر نہ بازار نہ یار ہے نہ انھیار نہ دنیا ہے
نہ آخرت نہ ذلت ہے نہ عزت نہ فقر ہے نہ غنا نہ صحت ہے نہ عیا
نہ دوزخ ہے نہ بہشت نہ سبک ہے نہ چست نہ حور ہے نہ غلام
نہ قصور ہے نہ رضوان نہ طوبیٰ ہے نہ سلسل نہ کوثر ہے نہ انکسار ہے

بر که عرق بجز حدت شد و دارد | و در نقش موج بید بر کرا و بر ساحل مهت

اور امام احمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے نو اربعین میاں کیا ہے کہ موحد کا عاشق نہیں ہے۔ کیونکہ اگر موحد کا عاشق ہو تو ہو رستہ ک ہے موحد نہیں ہے کیونکہ حب عشق دریا میں ہے تو دوئی ہوئی اور وحدت میں واحد ہوتا ہے۔ پس ایک میں عشق و عاشق و مستوق نہیں سماتے سب ایک حریف

۲۰

مستوفی عشق و عاشق پر یکسبت اینی	یوں وصل در یکسبت بچراں چہ کار دارد
طالب وصل شدن غایت کور نظر است	یار در دل جو قہیم است بچراں قہیم سال

ہر ائمہ مقرر ہوا کہ حیرا سے عین کو عین دیکھ سکتی ہیں ہر حبیب۔ ایسے
عین سے لے خبر ہے اگر مردار ہو غیرت لارم آتی ہے۔ کیونکہ
خود غیرت گیر مدہ ہے اور نیز لے حروہ متخلص ہے کہ اس سے مر
لاتا ہے۔

	رباعی	
--	-------	--

یاعی

میتیم ہر اشک گشت و میتیم مگر حسرت
ارسل اتردی کا دایں عشق از حسرت

در عشق تو بے حسم می یابد حسرت
چوں من ہم مستوق قدم ماشن حسرت

اساں ایسے موہبہ کو ملا لئیہ کے ہئیں دیکھ سکتا ہے جیہا کہ کہا
 گیا اَلْمَوْمِنِ رِزَاتُ الْمُؤْمِنِ مَوْسِ آئینہ مومس کا ہے۔ یہی بات
 سے کہ مومس ایسی ہئیں دیکھ سکتا مگر لوا سط مومس دیکھ کے۔ اور ایسی
 قدر مگو ہئیں جاں سکتا حب تک کہ ایسی سے زیادہ کسی نزدیک

نہیں دیکھ سکتی جیسے کہ آنکھ سب کو دیکھتی ہے اور اپنے تئیں نہیں
دیکھتی سے جیسا کہ کہا کسی نے

بیت

از مرد مکثیدہ بیاید آموخت دیدن ہمہ کس را و ندیدن خود را
کیونکہ اگر آنکھ نے اپنی تئیں دیکھا تو ہر آئینہ اس نے اپنے تئیں نہ دیکھا
بلکہ اپنے سے غیر کو دیکھا۔ کیونکہ نظر دیکھنے میں نظر غیر نظر ہے۔ اسی جگہ
سے ہے کہ کہا جنید بغدادی نے کہ اگر خدا تعالیٰ مجھ سے آخر تین فرما دے گا
کہ میری صورت دیکھ میں کہوں گا میں تجھ کو نہیں دیکھتا کیونکہ دیکھنے میں
نظر غیر ہے اور جب کہ دنیا میں ہو اسطرح چشم میں تجھ کو دیکھا ہے تو پہر نظر
چاہتا کہ یہاں ہی واسطہ کا درمیان میں آوے۔ اگر بواستہ چشم
دیکھو گا تو غیرت واقع ہوگی کیونکہ جب تک مغائرت نہیں ہوتی
دیدار درست نہیں ہوتا ہے۔ پس میرا دیکھنا اسکو درمیان علت
کے ہے۔ اور جب علت درمیان میں ہوئی تو پہر دوئی ہے
اور میں تجھ کو بے من و تو کے دیکھتا ہوں۔ اور من اور تو دوئی
ہے اور میں عین تو ہوں پس عنیت میں نظر کہاں پڑتی ہے کہ غیر
دیدار غیرت درست نہیں ہوتا۔

بیت

چون آفتاب در رخ ہر درہ ظاہر از غایت ظہور عیاںم پدید نیست

رباعی

ماہر دریا و دریا عین ماہودہ و لے
ماہی مادر میان و دریا حائل نیست

سبب

مگر مصور صورت آن لسانی بجا بدستید	نہی ہے، اوم کہ باز تر را چنان بپندید
نقش مایہی را چہ در یاد یہ تاک	رنگ مد مرا یہ حالون، یہ تاک
نقش گر نگین نگار سے سورتی	اویدار وار عم و ساد می سق
مصور نقش نگین او فار عار اں	مصور نقش حدائق را وزاں بایقان
ایں عم و شادی کہ اندر خطہ الیت	پیش آن شادی دغم حرفت نسبت
مورت عکس نقش را بہر نسبت	تا ایں صورت ستودہ می درست
نقشہا کی کہ دریں تا مہا بست	از بیرون عامہ کی جوں خاص است
تا بیرون عامہ مینی و بس	عامہ بیرون کی در آئی ہم افس
را کہ با عامہ در اں سوراہیت	نقش عامہ جاں رت اشکامہیت

حالتا چاہئے کہ حقیقت و خود کی یہ ہے کہ وہ تکرار سے وہ نہیں جانتا
مگر اس بات کو وہ سمجھتا ہے جو کہ عین وحدت و حاتم ہے اور
تمام لذت و لیس ہیں واحد کو دیکھتا ہے وہ وہ کہ، یہ وہم ہوا اولیٰ
اور پھر کو دیکھتے اور واحد کو کم کرے۔ مگر اس سے اس کے آدمی شخص
کو جو پڑ کر سایہ کی درمیان ہوتے ہیں کہ سایہ کا۔ خود اور خود ہے۔
اور یہ ہیں مانتے کہ سایہ کا وہ خود نہیں سایہ کی شمع کا ہے۔
میا کہ نقل ہے کہ ایک احمق ایسے ملک ساتھ۔ اور میں جانتا تھا
انعاما ایک کو انظر آیا احمق نے کوئے میں رشتی ڈالی اور اپنی
عکس کو یا لی میں دیکھ کر حیا اور شہا کہ اسے ما کوئی شخص کوئے
میں بیٹھا ہے مایہ سکر و ڈری اور کوئے میں دیکھے لگی تو اپنا اور
اپنے ٹیٹے کا سایہ دیکھ کر کہنے لگی کہ اسے ٹیٹے اسیں تو ایک مرد ہے

کوئی شخص اپنے وجود میں تصور شہر کا کرے اور شہر میں سونرا
 نقد داوے تکثر میں ہر آئیہ اس شخص کے جسم میں کوئی نقد داوے تکثر
 نہ ہوگا۔ اور یہ سب تعینات نمود ہے بود میں جداگانہ وجود نہیں
 رکھتے۔ وجود صرف خدا کے لئے ہے۔ اور وہ ان تعینات میں کہ
 صرف نمود ہے بود میں ایسا مخفی ہوا ہے جیسی کہ ہوا سراب کی صورت
 میں مخفی ہے۔ تمام آدمی سراب کو دیکھتے ہیں اور ہوا دکھلائی
 نہیں دیتی۔ فی الحقیقت ہوا کا وجود پایا جاتا ہے اور سراب کا
 معدوم اسی طرح سے حق موجود ہے اور تعینات کا وجود نہیں
 ہے۔ جس طرح سے کہ سراب نمود ہوا ہے اسی طرح تمام تعینات
 و ظورات نمود ذات اللہ کے ہیں۔ نمود میں سراب خیر ہوا دکھا
 دیتا ہے مگر درحقیقت عین ہوا ہے۔ اسی طرح نمود میں مخلوق غیر
 اللہ ہیں مگر درحقیقت عین حق ہیں۔ نقد و تعین و تکثر وجود میں
 نہیں ہے مگر نمود میں ہے کیونکہ وجود کی حقیقت ایک ہے
 ہرگز زیادہ نہیں ہوتا ہے۔ اور حزن و غم اور شادی و لغت مناسبت
 وجود کے ساتھ نہیں رکھتے نہ یہ شخص ممکن ہے نہ خوش نہ محنت
 میں ہے نہ راحت میں دونوں عارضی اور وہی ہیں۔ جیسا کہ
 کہا گئی

مست

وے دارم کہ دروے غم نہ گنجدا ۥ چہ جائے غم کہ شادی ہم نہ گنجدا
 اگر مصور ممکن تصویر کا نقشہ بناوی تو وہ تصویر نہ ممکن ہے نہ خوش
 اور اگر محبوب کا نقشہ بناوے تو تمام باتیں اسکی نہیں ظاہر کر سکتا
 بقول کسی کے

سیداری کے ساتھ یہ مستاہبت کہ جو کچھ کہ حواص میں دیکھتا ہے
 اس کو استقامت نہیں ہے اور اس سے جو کچھ حاصل نہیں۔ اگر
 اسان رگ اختیار ہی مرق لائق فی الی ثمنی ثمنی۔ یعنی مرے سے پہلے
 مر جاؤ۔ کو اختیار کرے قل اسکے کہ وہ مرے تو اسکو حقیقت اس امر
 کی ظاہر ہو جاوے کہ فی الحقیقت یہ تمام لغات اشیاء حد امکانہ اعتبار
 نہیں ہیں اور حقیقت میں یہ اختیار ایک ہے وجود ہے اور وجود واحد
 تمام اعداد میں ساری ہے بلکہ تمام عدد میں واحد ہیں۔ کیونکہ اگر کسی
 عدد میں سے واحد کو دور کیا جاوی تو وہ عدد اپنے اسم معین پر رہے
 بلکہ تعبیر ہو جاوے گا مثلاً ہزار میں سے اگر ایک عدد دور کیا جاوے تو
 اسکو کوئی ہزار نہیں کہیگا بلکہ نو سو ساٹھ کھنڈے اور اگر اس میں سے
 ہی ایک عدد دور کیا جاوے تو پھر نو سو ساٹھ کھنڈے ہوئے۔ علیٰ تالیقار
 جس میں سے عدد واحد دور کیا جاوے گا تو نام اس عدد کا قائم
 رہے گیگیس وجود تمام اعداد کا واحد ہے بلکہ واحد ہے کہ
 ہزار کا نام اپنے اوپر رکھے ہوئی ہے۔ وجود حقیقی ایک اسکو تعدد
 صرف مود میں ہے۔ کہ وجود میں۔ مثلاً کسی شخص نے اپنے حسیہ خیال
 میں ہاتھ دو لشکروں کے جگہ بدل اور کثرت و حوں کا تصور کیا
 اور تصور کرے والے کو ماوجود جگہ کے کچھ مر رہے ہو یا۔ اور یہ حال
 خیال ایک ہے آدمی تھا کہ اپنے خیال میں جگہ دو لشکر اور کثرت
 و تفاوت کا تصور کیا اور یہ آدمی ایک ہی وجود رہا وہ ہو گیا۔
 لیکن آیا ان دونوں لشکروں کا وجود حقیقی تھا یا نمود ہے لود
 بر آئید جو کہ عاقل ہے جانتا ہے کہ صرف مود ہے لود تھی۔ عیسیٰ

ہمارے خاطر کرتا ہے ہم بہت خوش ہو جاتے ہیں تو پھر کس طرح یہ سنج
 و محنت و شادی خیال و نمود ہو سکتی ہے۔ تو اس کی مثال ایسی ہے
 کہ مثلاً کسی شخص نے خواب میں دیکھا کہ لشکر و خیمیں اسپہین جنگ ہو رہی
 یا کسی نے خواب میں اسکو مارا اور تمام مال لوٹ لیا اور اسکو بڑا رنج ہوا
 یا دیکھا کہ بادشاہ کے پاس گیا اور اس نے اسکو انعام دیا اور یہ خوش
 ہوا۔ اور مال بہت سا پایا یا اس شخص کے گھر لڑکا پیدا ہوا یا کوئی دوست
 یا رشتہ دار دور سے آیا یا کسی مردہ کو زندہ یا رعدہ کو مردہ دیکھا یا اپنی منزل
 آسمان پر دیکھا یا کوئی کی گہرائی میں یا قید خانہ میں گیا یا باغ میں۔
 علیٰ ہذا القیاس جو کچھ یہ شخص خواب میں دیکھتا جانتا ہے کہ جو کچھ میں
 دیکھا رہا ہوں فی الحقیقت ایسا ہی ہے اور کچھ اسپہین فرق نہیں
 ہے اور یہ نہیں جانتا ہے کہ میں خواب دیکھتا ہوں۔ کیونکہ اگر یہ
 یقینی ہوتا کہ میں خواب دیکھتا ہوں تو رنج و شادی سے غمگین و خوشی
 نہ ہوتا اور جب کہ بیدار ہوتا جانتا ہے کہ جو کچھ میں دیکھتا تھا وہ
 سب خواب تھا۔ اور صرف ایک خیال و عکس و نمایش تھی۔ اور
 صرف کرتا ہے کہ اُن سب کا کچھ وجود نہیں ہے بجز خیال و عکس
 کے کیونکہ جو کچھ بیدار ہی میں دیکھتا تھا اور لقور کرتا تھا وہی البتہ خواب
 میں دیکھا ہے اور جو کچھ خواب میں دیکھا ہے اس کا کوئی وجود نہ تو
 ہے اور نہ ہوا ہے۔ محض دروغ ہے۔ جو کچھ کہ خواب میں دکھائی
 دیتا ہے اور جو کچھ کہ بیدار ہی میں معلوم ہوتا ہے۔ بیدار ہی شریک
 خواب ہے اور خواب شریک بیدار ہی۔ آدمی خواب بیدار ہی
 میں فانی نہیں ہوتا ہے ہمیشہ وجود رکھتا ہے۔ اور خواب کو

مثلاً اگر سٹو چراغ روشن کئے حادیں اور ہر ایک کو حدا حد خیال کریں تو البتہ مود میں نقیصہ عدد پایا جاوے گا نہ کہ حقیقت میں کیونکہ چراغوں کے نور میں تعدد نہیں ہے تمام چراغوں پر وہی آگ ہے جو کہ ایک مین سے اور ایک ہی نور ہے۔ اور اگر ایسی گردشوائیہ رکھے حادیں تو سٹو صورتیں دکھلائی دسکی اگرچہ وجود میں ایک ہی صورت ہے اور اس کی نگاہی میں کچھ شک نہیں ہے اور اسی طرح سے اگر آفتاب سوروروں میں جھپٹتا ہے تو البتہ روزن میں تعدد پایا جاتا ہے مگر نور آفتاب میں کچھ تعدد نہیں ہے۔ نور اس کا ایک ہے ہرگز تعدد میں تعدد نہیں۔ تو جاننا چاہئے کہ تمام عالم عرس اعظم سے نترائے تک اسی طرح تعدد مودی رکھتا ہے اور یہ مود بجز خیال اور عکس کے کچھ نہیں ہے جو کچھ ہی تمام خیال و ممالش ہے

رباعی

ایں لغتہا کہ بہت ہم در مائش است
ایں یک حقیقت است و لی در صعات
ایں مو جہاں بحر محیط حقیقی است

ایں در لفظ جو صورت بسیار آمد
ایں کلمات بہ الطوار آمد
ایں وحدت است لیک تکرار آمد

اگر یہ کہا جاوے کہ ہم کس طرح سے حائیں کہ یہ تعدد است خیال و مود ہیں۔ کیونکہ جب کہ ہکو سرخ ہو جتا ہے ہم ناحوش ہو جاتی ہیں اور جب کوئی شادی کی مات ہوتی ہے ہم خوش حال ہو جاتے ہیں۔ اور اگر کوئی ہکو مارنا ہے ہم مر جاتے ہیں اور کوئی

فکرت از ماضی و مستقبل بود
دید چون بے کیف سر کیف را
در تموز گرم سے ہندو سے
در دل انگور سے را دیدہ اند
روح از انگور سے را دیدہ اند
آسمان دور و ایشان جرج و نوش
چون از ایشان جمع مینی دوبار
بر مثال موجہا اعداد شان
معرفت شد آفتاب جان خلق
تفرقہ در روح حیوانی بود
چونکہ حق رس علیہم نور ہو

چون ازین درست شکل حل بود
دیدش از کان صحیح و ضیف را
در شعاع شمش سے ہمیدے
در فنا می محض سے را دیدہ اند
روح از معدوم سے را دیدہ اند
آسمان از جود شان بفت پوش
ہم یکے باشند ہم سہ صد ہزار
در عدد آوردہ باشند باو شان
در دن وزن آمد آن خلق
نفس واحد روح الہانی بود
سغرق ہر گز نگردد در نور ہو

جاننا چاہئے کہ وجود ایک سے زیادہ نہیں ہے اور وہ ایک
ہرگز فانی نہیں ہے اور وہ اللہ ہے کبھی بقوۃ اور کبھی بقفل
یہ وجود ہمیشہ اسی طرح سے ہے۔

سوال میں پتھر ا جب کہ وجود ایک ہے اور ہرگز فانی نہیں ہے
جیسا کہ دلائل سے ظاہر ہوا۔ اور فنا و عدم بھی اس وجود سے
ساقط ہیں۔ تو پھر یہ کثرت اعداد آیا وجود میں ہے یا نمود میں
اگر وجود میں ہیں تو وحدت الوجود باطل ہے اور اگر نمود میں
ہے تو دلائل سے ثابت کرنا چاہئے کہ یہ سب نمود ہے کیونکہ ہرگز
ظاہر کثرت لعداد وجود میں دکھائی دیتی ہے۔

جواب کثرت لعداد فی الحقیقت نمود میں ہے نہ کہ وجود میں

کہا جاوے کہ حب کہ آدم نہ تھا تو یہ سب کہاں ہے۔ حاسا
چاہئے کہ اگر یہ آدم ایک تھا مگر تمام اس کی قوت میں تھے
اور آدم ہی اپنے آدم ہونے سے پہلے قوت وجودی میں تھا
علیہ القیاس ذات پاک میوں و ذات تحت مقطع لائیات
تک نہیں جاتا ہوا ہے کہ تمام عدم قدیم سے اور ایک دور ہی جاتا
ہیں ہے ایک دور میں صد ہزار چیزیں کل کل کی کل کی

بیت

اس ست بیان انکے عارف گوئیے
ماستد سمہ حیر مدیح در ہمہ حیر
حاسا چاہئے کہ اہل نظر ازل اور اند کو ایک دیکھتا ہے۔ اور
مسی آئے طالب اگر طلب کرے نکایا دیگا کامل وہ شخص ہے
اکہ اول کو آخر میں اور اعلیٰ کو ظاہر میں۔ اور تمام حیر کو تمام حیر

منوی

سیر اندر سخت عید ہر زمان	انجہ تو در آئینہ بی عیاں
ہاں ایساں لو دور دریا حیر	پیرایشانہ کیں عالم خود
یستتر ارکشت ہر سرد است	پین آریں تن عمر با گداش
پیشتر ارکشت ہر سرد است	پیشتر در نفس حال پذیرفتہ اند
یستتر از دانه با ماں دیدہ اند	یستتر از فلک کیواں دیدہ اند
لے سیاہ و حمر و در اعرت	نئے دماغ و دل پیر از فکر تہدید
در در خود است برایشان بیت	آں عیاں نسبت برایشان نیست

اگر اب سے پہلے جہان میں دلی تھا تو رب یہی ہے اگر صالح تھا
 اب یہی موجود ہے اگر فاسق تھا اب یہی ہے علیٰ ہذا القیاس جو
 قسم کہ تھی اب یہی ہے۔ روشن مثال اس کی یہ ہے مثلاً
 ایک شخص کہیت میں گیہون بوتا ہے ایک پانی دیتا ہے ایک
 کاٹتا ہے۔ ایک کہلیاں جمع کرتا ہے ایک صاف کرتا ہے ایک
 گدے پر لا دیتا ہے۔ ایک شہر میں بیچتا ہے ایک دوکان
 میں رکھتا ہے ایک خریدتا ہے ایک پیتا ہے ایک خمیر کرتا ہے
 ایک کہتا ہے۔ اور جب کہ کہتا ہے تو مطابق حکمت کتنی
 ہی جگہ مضمم ہوتا ہے پہر لطفہ ہوتا ہے۔ پس جاننا چاہئے کہ
 یہ تمام آدمی وجود روئی کے واسطے شمار کئے گئے اگر ایک
 بھی نہ ہو تو روٹی بچتہ نہ ہو۔

منشوی

گندے راز پر خاک انداختند	پس ز خاکش خوشہ ہار دستند
باز دیگر کو فتش ز آسیا	قیمتش افزون کہ جان شد جالفا
باز نان رازیر دند ان کو فتند	گشت عقل و فہم جان ہوشمند
باز آن جان چون کہ خوش گشت	لغمت الحزاع آمد وقت گشت

پس جاننا چاہئے کہ جو کچھ اس وجود میں ہے ست ضروری ضروری
 ہے اگر ایک ہی نسبت ہو جاوے تو تمام وجود بیکار و معطل ہے
 مقتضائے حکمت اس وجود کا یہی ہے کہ اس طرح پر ہو۔ جو کچھ
 اس وقت دکھائی دیتا ہے ہمیشہ تھا اور ہمیشہ رہیگا۔ اگر یہ

نہیں ہے۔ جو کچھ ہے وہی ہے۔ قبل اس کے کہ انسان نہ
 تھا آسمان اور عارضہ تھے اب کہ انسان بھی ہوا وہی موجود ہیں اور
 اگر مصیبت ہو گئے یہ سب ہو گئے۔ میں اب اس میں کوئی تیز
 زیادہ نہیں ہوئی ہے۔ اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے موج
 و حساب کہ ان سے دریا میں بجز نام کے کچھ زیادہ نہیں ہوتا،
 بعد از ساعت یہی دریا ہو جاتے ہیں کما قیل بہت

موج و حساب ہرچہ لود حملہ کوران | اور باست ہرچہ بہت لود کما جہت
 پس جب کہ حساب نہ ہے دریا ہے اور اب کہ حساب نہیں ہے
 دریا ہے۔ اور حساب ہی دیا ہی ہے۔ ہر آئینہ دریا عین حساب
 ہے اور حساب میں دریا۔ اور عین وجودیت میں حساب موج
 ہی دریا ہیں۔ اور تمام حال میں دریا ہے اور موج ہی اس کے
 ساتھ ہے ہر گرا یا ہیں ہے کہ موج و حساب دریا کے ساتھ
 ہو دیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ موج و حساب لازمہ دریا ہیں
 کہ دریا کے قصد سے۔ بلکہ نمود اور خامیبت دریا کی یہی ہے کہ تیز
 موج و حساب اس کے ساتھ ہوں بہت

ہر نقش کہ مضمون لگتی پیدا است | ان صورت انکس کا نقش آرا
 دریا سے کہیں چو میرد موبے نو | موج حق حواسد و حقیقت دریاست

حاشا جیسا ہے کہ یہ وجود قائم ہے اور کوئی دریا اس کا کافی نہیں ہے
 عالم قوت سے عالم فعل میں آتی ہیں اور میر جاتے ہیں۔ میں فی حقیقت
 وہی ہے کہ ہے اور ہمیشہ رہیگا۔ اور اگر کوئی آدمی رو رہیہ دن
 کپڑے تبدیل کرے تو ذات اس شخص کی متغیر نہیں ہوتی ہے

نہ آتا ہے نہ جاتا ہے۔ یعنی وجود عدم نہیں ہوتا ہے اور عدم وجود
 نہیں ہوتا وجود اپنی وجودیت پر باقی ہے اور عدم اپنی عدمیت پر
 عدم وجود کے ساتھ مثل نور و ظلمت کے جمع نہیں ہو سکتا۔
 وجود مطلق کو قیام گردش سے سنے اور گردش وجود کو لازم
 ہے۔ اور عدم مطلق کو ایک حال پر قیام ہے اپنی عدمیت پر
 فی الحقیقت استقامت رکھتا ہے۔ اور وجود کو بھی قیام
 ایک حال پر ہے کیونکہ گردش اسکی ایک حال پر ہے اگر اس
 کی گردش دوسری حال پر ہوتی اسوقت کہا جاسکتا تھا
 کہ فانی و متغیر ہوا۔ اور بحالت دیگر ہو گیا۔ پس یہ آنا جانا حقیقت
 میں آمد و شد نہیں ہے بلکہ ایک قرار ہے۔ معنی اَلْاَن کُلُّہَا کَانَ
 یہی ہیں اور عدم بھی اپنی عدمیت پر قائم ہے۔ پس عدم وجود
 ہو جاوے اس وقت عدم متغیر ہو جاوے تب کہہ سکتے ہیں کہ
 کہ فانی ہوا اور اگر وجود عدم ہو جاوے اس وقت وجود
 ایک قرار پر نہیں ہو سکتا پس محال ہے کہ وجود عدم ہو جاوے
 ہر اثنیہ گردش اسکی برقرار ہے۔ اور قرار اسکی گردش ہے
 پس وجود میں خاصیت عدم کی اور عدم میں خاصیت وجود کی
 ہے۔ پس وجود اور عدم ایک ہوئی اور فی الحقیقت ایک
 ہیں پس جو کچھ موجود ہے یا اس کو وجود مطلق کہنا چاہئے یا عدم
 مطلق۔ پس جو کہ وجود مطلق ہے وہی عدم مطلق ہے اور جو کہ
 عدم مطلق ہے وہی وجود مطلق ہے۔ پس جانتا چاہئے کہ وجود
 ایک ہے اور وہ حق ہے۔ اور کوئی جز اس وجود میں فانی

نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ حسن چسپکو ممتنع کہتے ہیں وہ ممکن ہے اور جو
 ممکن ہے وہ ممتنع ہے۔ اور محرواحب کے کچھ نہیں اور ممکن ممتنع اور
 واجب تیوں ایک ہی کیونکہ ممکن ممتنع ہی اور ممکن واجب اور جو کچھ واجب
 وہی ممتنع ہے اور باعتبار تہا رے ممتنع ہے۔ یس مقرر ہوا کہ تیوں
 قسم وجود کی ایک ہیں۔ اور عدم کی پہی تین قسم ہیں۔ ایک تو
 یہ کہ نہ ہرگز تھا اور نہ ہے اور نہ ہوگا۔ یہ عدم مطلق ہے کہ ترکیب
 وجود ہے۔ اور دوسرا یہ ہے کہ تھا اور اب نہیں ہے۔ جب کہ
 وقت ماضی کہ وہ بھی عدم ہے اور تیسرا عدم یہ ہے کہ فی الحال
 نہیں ہے مگر ہوگا۔ یعنی مستقبل۔ کہ اب نہیں ہے فی الحال
 عدم ہے جب ہوگا ہوگا۔ پس عدم اوّل کو عدم مطلق اور
 دوم کو عدم سابق اور سوم کو عدم لاحق کہتے ہیں۔ یس حالت
 چاہئے کہ جس طرح وجود کی تین قسم ہیں وجود واجب اور
 وجود ممکن اور وجود ممتنع اور پیرہ ایک ہے۔ اسی طرح عدم
 کی بھی تین قسم ہیں اور یہ بھی ایک ہے۔ مگر ممتنع ممکن ثابت
 ہوئے اور ممکن واجب یس حوشے کہ اس پر وجود کا نام
 ہے واجب ہے اور وہ ایک چیز ہے ایک سے زیادہ
 نہیں ہے۔ عاسا چاہئے کہ واجب وجود مطلق ہے۔ اور
 حیر اس کے عدم مطلق ہے عدم بھی ایک ہے اور وجود
 بھی ایک ہے بلکہ یہ دونوں ایک ہیں یا عدم مطلق ہے
 کہا چاہئے یا وجود مطلق۔ عدم سابق اور عدم لاحق
 دونوں نہیں ہیں جو کچھ ہے عدم مطلق ہے۔ اور یہ وجود

اور جانتا چاہئے کہ فاعل مطلق حق ہے اور سوائے حق کے کوئی
 موجود نہیں ہے۔ اور اگر یہ کہا جاوے کہ ہم نے فرض کیا کہ بندہ
 محض مجبور ہے اور اختیار فعل کا کچھ نہیں رکھتا ہے۔ اور فعل بندہ کا
 فعل حق کا ہے۔ تو اس سے نفی فعل بندہ کی ثابت ہوئی مگر وجود ممکن
 کا کس وجہ سے معدوم مانا جاوے اور اثبات واجب کا کیا جاوے
 تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب کہ اضافت فعل کی بندہ کی طرف
 سے دور کر دی جاوے اور حق کی طرف کی جاوے۔ تو ہر آئینہ
 یہ بات لازم پہر آتی ہے کہ بندہ فعل حق کا آلہ ہے۔ تو حق اپنی فعل
 میں محتاج آلہ کا ہوا۔ پہر آلہ اس کا عین اسکا ہے یا غیر اسکا۔ یعنی عین
 حق ہے یا غیر حق۔ اگر عین حق ہے تو پہر وہ آلہ نہیں ہے اور اگر غیر
 حق ہے تو حق اپنی فعل میں محتاج غیر کا ہے تو اس سے شرکت
 ثابت ہوتی ہے۔ پہر آلہ اس کا قدیم ہے یا حادث اگر قدیم ہے
 تو یہ درست نہیں اور اگر حادث ہے تو یہی درست نہیں۔ کیونکہ
 جو چیز کہ جدید ہے وہ آلہ قدیم کس طرح سے ہو سکتی ہے۔ قدیم
 کے واسطے آلہ بھی قدیم ہونا چاہئے۔ کیونکہ یہ محال ہے کہ قدیم
 کا آلہ جدید ہو۔ پس بتونا چاہئے کہ کس اعتبار سے ممکن کے موجود
 کا اثبات کریں۔ یا تو اثبات شرک فعل حق میں لازم آتا ہے
 یا نفی فعل ممکن کی۔ جب کہ نفی ممکن کے فعل کی کیلئے تو پہر اس کا
 وجود بھی نفی ہوا۔ کیونکہ جس چیز میں کہ فعل نہیں پایا جاتا
 وجود بھی نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ وجود کیلئے فعل لازم ہے۔ پس
 وجود خاص فاعل مطلق کے لئے ہے۔ اور غیر حق کے لئے وجود

دریہ اعتقاد کہ۔ حیثیت ہر شخص کا جس اللہ لکھائے۔ اس سے
ماطل ہوتا ہے اور مسترکہ اور اتاعرہ کے نزدیک بالقطع خود
ایسا ہے کہ مدی ماکمل ہما۔ ہی طرف سے اور یکی حد کی طرف سے
ملکہ یکی اور مدی میں ایسی تین حد کے ساتھ ترکیب
دیکھتے ہیں۔ اور کہتی ہیں کہ ہر عمل میں اختیار کتنے ہیں کیا یکی اور کیا
مدی۔ پس ہمس اس گروہ سے لکھتے ہیں کہ انکو ایسا اعتقاد کرنا
چاہئے کہ حیا اس آیت میں ہے اور اگر ایسا اعتقاد کیا کہ مدی ہم
سے اور یکی حد کی جانب سے تو یہ اعتقاد گبروں کا ہوا۔ اور
اس اعتقاد میں سترکت محض ہے۔ اور سندی یکی کی طرف حق
کی اور مدی کی طرف اپنی اور روئے ادب کے ہے۔ بقول مظل

بیت

گماہ گر چہ خود اختیار ماحادیاں | تو در طریق ادب کوئی کوتاہی نہ

اور اگر مدد فاعل مختار ہے تو آیا ہر فعل کہ اسان کرتا ہے اور
اسیر اختیار رکھتا ہے۔ وہ موافق قصائے حق ہوتا ہے۔ یا مخالف
اس نئے۔ اگر یہ کہا جاوے کہ قصائے حق اسیر واقع ہوئی کہ
مندہ ایسا کرے تو یہ ہر یہ قول کہ مدد مختار ہے ماطل ہے۔ کیونکہ
جب قصائے حق اسیر ہوئی کہ یہ عمل اس طرح یرواقع ہووے
تو یہ ہر یہ عمل حق کا ہوا۔ کہ فعل مدد کا۔ اور اگر یہ کہا جاوے کہ
عمل مدد کا موافق قصائے حق کے ہیں ہے ملکہ یہ خود اختیار
کہتا ہے۔ تو ہر سترک ہوئے۔ کیونکہ فی قصائے حق کسی عمل
کا واقع ہوا محال ہے۔ پس اصافیت کو مدد سے دور کرنا لازم ہے

کو فعل حق میں کس لئے شریک کہتے ہو۔ کیونکہ جبکہ بندہ خالق افعال
 اور فاعل مختار ہوا تو یہ آیت کہ۔ **فَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ** ^ط
 باطل ہے۔ کیونکہ اسکے یہ معنی ہیں کہ اللہ نے پیدا کیا تمکو اور جو کچھ تم کرتے
 ہو یعنی تمہارے فعلوں کو۔ تو اس سے ثابت ہوا کہ خدا بندہ کو فعل میں
 شریک رکھتا ہے۔ جب کہ اس طرح کا اعتقاد ہے تو پھر مشرک ہوئے۔
 والا نہ وجود ممکن کو اور شرکت فعل کو ممکن بنانا چاہئے۔ اور جب کہ
 ممکن کو عدم بنانا تو پھر سوائے حق کے مطلق کو ہی موجود نہیں ہے
 اور فاعل مطلق اور خالق افعال اور فاعل مختار وہی ہے۔ کیونکہ
 اگر ممکن کو عدم نہ جاستے تو خدا کے ساتھ شرکت لازم آتی ہے۔ ہر
 آئینہ یا ممکن کے وجود کے نفی کر دینے چاہئے یا اثبات شرکت کا کرنا
 چاہئے اگر ممکن کے نفی کی تو وہ خود سوچو ورنہ مشرک۔ اگر کوئی یہ کہی کہ خدا نے فرمایا
 ہے کہ جو چیز کہ نیک ہے وہ از جانب حق ہے اور جو بدی وہ
 از جانب نفس ہے۔ ہم موافق قول حق کے یہ کہتے ہیں کہ اس نے
 نیکی نسبت اپنی طرف کی ہے اور بدی کی ہماری طرف۔ تو معلوم
 کرنا چاہئے کہ یہ قول بہ نسبت اس کے ہے۔ حقیقت میں ایسا
 نہیں ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو بندے خالق بدی ہوتی۔ پس
 فعل باری میں شرکت ہوتی۔ پس ایسا لازم ہوا کہ جو کچھ نیکی ہے
 وہ خدا کی طرف سے اور جو کچھ بدی سے وہ ہماری طرف سے۔ خدا
 فاعل بدی میں نہیں ہے۔ فاعل بدی میں شیطان ہے۔ اس
 وجہ سے حضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ قدر یہ میرے است کے گھر میں
 کیونکہ بندہ کو فاعل مختار اور فاعل مطلق اور خالق افعال کہتے ہیں

حقیقی حق کے لئے ہے۔ اور سوائے حق کے کوئی موجود نہیں ہے۔
 پس جب کہ تمام حق ہے تو ہا کس کے لئے ہے۔ اور حقیقت اس کا
 کا ہونا محال ہے۔ کیونکہ قلب حقائق اس سے لارم آتا ہے
 پس جو چیز کہ وجود ہے عدم نہیں ہوتی اور جو چیز کہ عدم ہے
 موجود نہیں ہوتی جو وجود اور عدم کی حقیقت میں بہت سی اقوال
 ہرگز وہ سے مشہور ہیں۔ بعض کے نزدیک وجود کی تین قسمیں
 واجب ممتنع اور ممکن واجب وہ ہے کہ ہمیشہ تھا اور ہے اور ہوگا
 اور ممکن وہ ہے کہ گزرا تھا مگر اب ہے پھر ہوگا ہونا اس کا
 مساوی ہے اور ممتنع وہ ہے کہ نہ گزرا تھا اور نہ ہے اور نہ گزرا
 ہوگا۔ واجب خدا کو کہتے ہیں اور ممکن خلق کو اور ممتنع ترکیب
 حق کو۔ اور یہ قول بعض منصوص کا ہے کہ موافق اصطلاح شرع کے
 کہا ہے۔ اگر جہیم الصاف اور لفظ حقیقت سے عور کرو کہ جس کے
 واجب وہ ہے کہ اس کا ہونا ضروری ہو اور ہونا محال ہوا اور اسی
 کو خدا کہتے ہیں۔ اور ممکن وہ ہے کہ جس کا ہونا مساوی ہے اور
 اس کو خلق کہتے ہیں۔ لیکن اس ممکن کا وجود حالی ہے کہ حال
 میں وجود کہتی ہے اور اختیار کہتی ہے۔ اور ہونا اس کے
 پابندی میں اور قائل مختار ہے۔ اور علماء معتزلی کا خود یہ اعتقاد ہے
 کہ سدہ خالق افعال ہے اور اشاعرہ کے نزدیک خالق افعال
 نہیں ہے۔ لیکن اختیار کہتا ہے۔ اور ممتنع وہ ہے کہ عدم ہے
 اور نہ ہوا اور نہ ہے اور نہ گزرا ہوگا۔ اور یہ سترہ ایک حق ہے پس
 ہم اس گروہ سے کہتی ہیں کہ جب تم ترکیب حق کو عدم کہتی ہو تو ہر سدہ

اگر جہ دم کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اور جس مقدار پر کہ مشک ہے
 اسی مقدار پر اس سے کام ہو سکتا ہے۔ مثلاً۔ اگر حیرم گاڑ سے ایک
 شک سائی جاوے اللہ وہ صورت دیگر ہوگی اور جب اس کو
 پہونکو اور اس کو دریا میں ڈال دو اللہ وہ بہ نسبت مکاری کے ٹپے
 کے زیادہ کام کر سکتی ہے اور زیادہ لوہہ اوٹھا سکتی ہے۔
 اور دم میں کہ جائے روح کے ہے اور کام میں کہ کھائے نصیب
 کے ہی تفاوت ہے۔ پس آدمیوں کے نصیب میں تفاوت
 اسی سے ہے۔ اور اعداد و صورت ہی اسی طرح ہیں اور تمام آدمیوں
 کے نصیب میں تفاوت اسی سے ہے مگر فی الحقیقت تفاوت اور
 حد کچھ نہیں ہے کیونکہ تمام اعداد واسطے مدد و خود کے ہیں اور
 قیام اس وجود کا واسطہ حدیث ہی۔ اور حقیقت میں نہیں ہے
 کیلئے کہ خلاف صورت اور خلاف کار واسطہ قیام یکدیگر کے
 ہے۔ جس طرح کہ آسمان عامر کے واسطے گردش کرتا ہے اور عامر
 موالید ثلاثہ کے واسطے تشریح ہوتی ہیں اور موالید الاساں کے
 واسطے ہے۔ اور الاساں رب کے واسطے۔ کیونکہ ار رومی
 معنی کے تمام کی سیر اور عود مدد اعلیٰ کی طرف ہے۔ پس
 دیکھا جائے کہ تمام عالم الاساں کے واسطے ہے۔ اور الاساں
 سب کے واسطے۔ پس حقیقت میں نظر کرنا چاہئے کہ اگر بیٹا،
 ظاہر میں متفاوت ہیں مگر معنا متعادت ہیں کیونکہ شکی گردش
 ایک کے لئے ہے۔ اور ضدیت صورت ہی واسطہ قیام صورت کے
 ہے۔ کیونکہ اعداد آئینہ ایک دوسرے کے ہیں۔ جگہ ایک دوسرے

تو تمام وجود فانی اور عدم ہو جاوے کیونکہ قلب حقائق محال ہے اور ذرہ ذرہ ایک دوسرے کا محتاج ہے۔

نظم

اندرین ہر جزو کل محتاج یکدیگر شدند
عجب گوی می شود پیغمبری پرہ دای
اگر کناں نبود در مسالک
ہر خلق افتاد ز جہاںک

پس مقرر ہوا کہ وجود قائم بہ اصدا ہے۔ اور تفاوت آدمیوں کے لفظ میں اس واسطے ہے کہ ہر کس و ہر جزو میں قابلیت پائی جاتی ہے اور اس سے وہ فعل ظاہر ہوتا ہے۔ یعنی مبادی میں یہ وجود ایک ہے اصلاً اس میں تفاوت نہیں ہے لیکن اس کی ذات میں تمام اشیاء کی قابلیت ہے۔ اور قابلیت باہم متفاوت ہیں اور اس کی اصل میں دو قابلیت ہیں۔ ایک اجسام اور اور صورتیں مختلف۔ اور دوسری قابلیت لفظ ارواح کی۔ کیونکہ ہر شے اپنی قابلیت کی صورت پر کہ جو اس میں تھی۔ قوت سے فعل میں آمیج اور موافق اس صورت کے روح اس میں داخل ہوئی۔ اور خاصیت موافق روح کے پکڑی۔ جیسی کہ پانی کو زمین بصورت کوزہ کے ہے۔ جو صورت کہ کوزہ کی تھی وہی اسنی اختیار کی۔ پس جس صورت پر کہ جسم درست ہوا روح ہی موافق اسی جسم کے اس میں داخل ہوئی اور جو صورت کہ روح نے پکڑی موافق اس خاصیت کے عقل و نصب پیدا کیا بہ تفاوت۔ مثلاً اگر کسی مشک کو پہنکو تو وہ دم بصورت اس مشک کی ہوگا

جہاں میں واقع ہوتا ہے وہ لو اسلہ سیارہ یا ستارہ کے ہوتا ہے۔ اور
 حکماء کے نزدیک تفاوت لصلہ میں اور اعداد آدمیوں میں لو اسلہ عقل کے
 ہے کیونکہ جب کہ عقل کہ مرے عالم علوی و معلیٰ کی ہے تفاوت ہی
 تو انکی آثار ہی متفاوت ہوئے چاہیں کیونکہ ہر شخص کے عقل کامل
 رکھتا ہے اور عادت نیک و تمام آدمیوں میں سرگ اور معتر
 خیال کیا جاتا ہے تمام اسکو اپنا محدود خیال کرتے ہیں۔ اور عقل
 میں قابلیت بہت ہی اور متفاوت ہے اور مرئی تمام عالم کی ہے
 پس جب کہ عقل میں تفاوت ہے تو ہر لصلہ میں ہی تفاوت ہوگا
 اور بعد الموحدین تفاوت آدمیوں کے لصلہ میں اور اعداد
 وجود میں اس لئے ہے کہ قیام اس وجود کا لو اسلہ اعداد کے
 ہے اگر اعداد ہو تو عدم ہو دے۔ وجود۔ کس لئے کہ اعداد آثار
 ایک دوسرے کے ہیں۔ اگر رات ہوتی دن ہوتا جب کہ رات
 ہے دن ہی ہے پس دونوں ایک ہیں۔

تظم

اگر درستید بریک حال لودی	شعاع او یک سوال لودی
بدالستی کے گیں میر توہ اوست	مورے بیج ورق اور معرالو پست

پس معرفت نور شید کی لو اسلہ عروج و نزول کے ہے۔ اگر عروج
 ہوتا۔ نزول ہی ہوتا۔ اگر ہوگ ہے تو سیری کی ہی لذت ہی
 اگر سیری ہوتی گر سگی ہی نہوتی۔ پس وجود اعداد کا لو اسلہ
 قیام اس وجود کے ہے۔ اگر اس وجود میں سے ایک حرفانی ہو

ناگہان درجوش آمد بحر جود + + + حسبہ را در خود ز خود پیدا نمود
 اور جب دولون آپس میں ملے شے دیگر حاصل ہوئی غلے ہذا القیاس
 جیسا کہ آدم علیہ السلام ایک تھے اور جبکہ ان سے بلا کسی جزو کے
 کمی کو خواہ پیدا ہوئیں اور یا ہم دولون جنت ہوئے فرزند پیدا ہوا
 علی ہذا القیاس تمام پیدا ہوئے۔ پس اگر حقیقت میں دیکھو تو یہ تمام
 غیر آدم نہیں ہیں۔ جیسا کہ درخت چوٹا ٹھاجب خاک سو قرین
 ہوا بزرگ ہوا۔ تو کیا وہ شجر غیر دانہ ہے اگر غیر دانہ ہوتا تو لازم
 آتا کہ بلا دانہ کے ہوتا پس ثابت ہوا کہ شجر عین دانہ ہے اور جبکہ درخت
 بڑھتا ہے تو بہت سے دانہ مثل اس دانہ کے اس میں پیدا ہوا
 ہیں۔ پس گردش و کثرت اس وجود کی اس اعتبار سے ہے۔
 جانتا چاہئے کہ تفاوت و تضاد وجود کی گردش سے ہے۔ اور
 زمان مکان کی اجسام کی آمیختگی سے ہے۔ اور حقیقت میں وجود
 کو ان تضاد کے ساتھ قیام ہے۔ اور نوع انسان میں بھی
 تفاوت بہت ہے۔ ایک فقیر ہے ایک غنی ایک مہیج سے ایک
 علیل۔ اس طرح ہر جمیع امور میں قیاس کرنا چاہئے۔ نزدیک
 اہل شرع کے آدمیوں کے نصب میں تفاوت بقضائے خدا
 ہے اور کوئی شے بلا حکم خدا کے نہیں ہوئی ہے اور کیونکہ مجال
 چون و چرا نہیں۔ اور نزدیک اہل نجوم کے تفاوت آدمیوں کے
 نصب میں بواسطہ نجوم کے ہے کہ سعد و نحس ہوتے ہیں۔ اور شکم
 مادر ہی میں تربیت طفل کی اور علت اور تو نگر می و غنا وغیرہ
 باعتبار نجوم کے ہوتی ہے کیونکہ نزدیک اہل نجوم کے جو امر کہ اس

مادہ آتش - اور اٹھاک - اور یہاں غیر مادہ سے ہے۔ کیونکہ اگر
 صد ہو تو غیر نہیں ہو سکتا۔ اور اسی قدر اخذ کافی ہے کہ اسان
 غیر حواں اور حیواں غیر ساتات اور ساتات غیر جمادات اور جماد
 غیر خاک اور خاک غیر آب اور آب عمر مادہ اور مادہ غیر آتش اور آتش
 غیر افلاک ہے۔ یس چاہے ہنہا کہ ہر جس ایسی جس کے ساتھ یک
 دیکھاں ہوئے۔ اور تفاوت عالم احسا کا واسطے ہے۔ کہ خاصیت
 احسام کی یہ ہے کہ جب ایک جس کسی جس کے ساتھ ملتی ہے اور
 مرکب ہوتی ہے۔ تو صورت و خاصیت دونوں کی بدل جاتی ہے
 اور ایک ایسی حالت و صورت پیدا ہوتی ہے کہ دونوں میں سے
 کیکے ساتھ نہیں ملتی۔ جیسا کہ آگ میں لہجہ مخلوط نہیں ہوتا ہے کیونکہ
 اپنی رنگ و خاصیت پر ہے مگر وہ دوسروں سے ملتی ہے۔ عام
 اس کی یہ ہے مولوی رومی فرماتا ہے۔

ار قراں ہر قرین حیرری	ار قراں ہر قرین حیرری
لایق مرد و اتر را ید یقین	یوں سیارہ ماسپارہ متقرین
خود رنگ و آہن آید ہم شذر	ار قراں مرد و رل را ید سیر
میوہ ہا و سرب را رجا تھا	ار قراں خاک ما مارا کھا
ی مرا ید دل خوشی دلی غمی	ار قراں سب را با آدمی

اسے عزیز خاصیت احسام کی ہے کہ کسی دوسرے سے مل کر رنگ
 دیگر حاصل کرتا ہے۔ مگر تمام آستیا کا صرف ایک جز تھا اور
 جب وہ جو حق میں آیا ایک اور چیز حاصل کی ایسی ہی دات
 میں سے۔ کہا قال مولانا

ہر کجاوردے دوا آنجا رود	ہر کجا فقرے نوا آنجا رسد
ہر کجا مشکل چو آب آنجا رود	ہر کجا تشنه است آب آنجا رود
بس کنم چون زیر کان این بس	بانگ زد کردم اگر در ده کس است

اب کہ اثبات حق و نفی غیر سے فارغ ہوا تو اصل اول تمام ہوئی

اصل دوم

رفع کثرات دنیا کے بیان میں۔ اور اثبات وحدت وجود میں لعلیات دیگر۔ سوال اول اگر وجود ایک ہے تو یہ تمام کثرت و اضداد کس لئے اور فقر و غمی صحت و رنج موت و حیات پیر و جوان احمق و عاقل مومن و کافر نور و تاریک و خوشید رات و دن صلح و جنگ شادی و غمی قوت و ضعف بہار و خزان گرمی و سردی گرم و سرد ترو خشک دور و نزدیک خواجہ و غلام رومی و زنگی ہندی و ترکی فارسی و عربی تلخ و شور دریا و جنگل لطف و قہر شہد و زہر نوش و نیش و زخم و مرہم یہ کیا ہیں کیونکہ اگر وجود صرف ایک ہوتا تو یہ اضداد نہوتے اور جب کہ یہ تمام اضداد ہیں تو معلوم ہوا کہ کثرت ہے۔

جواب اول وجود واحد ہے اوقیام وجود کا اضداد سے ہے کیونکہ اگر اضداد نہوتے تو وجود نہوتا۔ پس اضداد عین یکانگی ہے۔ اور وہی ایک وجود نمونہ ہی کہ کثرت کی صورت میں ظاہر ہو رہا ہے۔ کہ نور ہی وہی ہے اور تاریکی وہی ہے اور یار و اغیار ہی ہے۔ کعبہ و دیر ہی وہی ہے جو کچھ ہے وہی ہے اگر کہا جاوے کہ تفاوت و ضد عین میں ہوتا۔ جب کہ انسان و حیوان نباتات و جمادات خاک و آتش

کل شیء ما خلا اللہ باطل
جو کہ گردے گرد سرگشتہ شوی

آں فضل اللہ علیہم باطل
خانہ را گردید ہی آں قنوی

مقصود ایں تمام تقریروں سے کہ مذکور ہوئیں یہ ہے کہ سوائے حق
کے کوئی موجود نہیں ہے جو کچھ ہے وہی ہے۔ خالق عین خلق
ہے اور خلق عین خالق ہے۔ اور یہ کہ کہتے ہیں کہ حق بیچون
عجب بیگوندے شبیہ دے نمونہ دے ماسد ہے کہ نہ اس کے
کوئی صورت ہے نہ شکل اور نہ اسکا کوئی مکاں ہے وہ قدیم
وحی لایزال ہے وہ اول و آخر ظاہر اور باطن ہے وہی باقی ہے
ہر آئینہ یہ تمام صفات اس وجود میں ظاہر کر دیں گئیں اور تائست
کر دیا گیا کہ وہ بھی ہے۔

بیت

آں ہاں را دیدہ ام اندر کیں
اس میں اندر ہاں اور وہ ام

اور تمام صفات کو کہ ماضی و اسکی ذات کے غیر میں اسکا ہر
اور مطابق کر دیا۔ معہ دلائل عقلی و نقلی کے تاکہ معلوم ہو جاوے
کہ موجود علیی برہیں میں۔ اور اصول تمام اہل تقویٰ کے تصویب
میں میں اور یہی اصل قوی اور سب سے ستر ہے۔

مثنوی

ایں میں شیرست در لٹاں
استیع چون تشنہ جویدہ شد
بے کتدہ عوش میگرد و رواں
صد ریاں گرد و گشت گنگ لال
کہ جہاں طعلی سمن آغار کرد

کسی سے پیدا ہوا ہے اور نہ اس نے کسی کو جنا ہے۔ سب سچ ہیں جو چہم ہے وہی ہے۔ صاحب فہم کے واسطے اسی قدر کافی ہیں اگر تمام دلائل بیان کئے جاویں کتاب دراز ہو جاوے۔ اور نیز غیرت اس امر کے مانع ہے کہ بہید بہت ظاہر ہو جاوے گا پس اس بات میں اسی قدر کافی ہے من فہم فہم من جہل جہل۔

مثنوی

بس کم گراں سخن افزوں شود	خود جگر چہ بود کہ خار اخون شود
منیت دستورے و گرنہ رنجے	گر دوزر یا سے رازا نگھنے

حقیقت اصل تو یہ ہے کہ جو بیان کی گئی اور اگر کوئی کم فہم انکار کرے تو اس کا کیا ہے اسکے پاس زبان ہے جو چاہے ہے لیونکہ ہر شخص خدا اسی قدر پہچانتا ہے کہ جس قدر اس میں قابلیت ہوتی ہے

مثنوی

دور تو مہر و ماہ را گوئی خفا	دور تو قدس و راز را گوئی دوتا
دور تو چرخ و عرش را خوانی حقیر	دور تو کان بحر را گوئی فقیر
آن بہ نسبت یا کمال تو دوست	بلک اکمال فنا ہا مرتراست
اگر تو پاکی از خطر گریستی	ہستیان را موحید معیشتی
انکہ رویانید داند سو خلق	آنکہ چون بدید داند و خلق
ای لبوز دور خزان مر باغ را	باز رویا بند گل صباغ را

اور مولود لارم ہو گا۔ اسلئے کہ خدا کو ولد لارم ہوتا ہے اور مخلوق
 کو د ولون۔ کیونکہ جب کہ خدا تھا اس کے ساتھ کچھ نہ تھا۔ کال اللہ
 لحد یکن معدقتی۔ پس ہمکہ کچھ نہ تھا تو یہ تمام مادہ کہاں سے پیدا
 ہوا۔ لازم ہوا کہ خدا نے اسے مین سے پیدا کیا۔ یعنی جہا۔ پس
 عالم پہ خدا ہوا۔ اس لئے کہ والد مصدر ہے اور ولد صادر مصدر
 سے صادر ہوا۔ پس جو چیز کہ کسی حیر سے صادر ہوئی اس حیر کا ولد
 ہو ہی ہے پس جب کہ عالم نہ تھا اور خدا سے صادر ہوا۔ لارم ہوا
 کہ عالم ولد خدا ہے۔ کیونکہ اگر کوئی کہے کہ عالم کو خدا نے ایسی دات
 مین سے نہیں کالایا ہے کہ اس کو مصدر کہیں بلکہ ایسی قدرت سے
 پیدا کیا ہے۔ تو آیا مادہ سے پیدا کیا ہے یا مادہ۔ اگر مادہ سے پیدا کیا ہو
 تو مادہ عالم قدیم ہے۔ اور اگر مادہ کو یہی پیدا کیا ہے تو پہر اس کو ماڈ
 جیائے تو اس سے پہر یہ مات لارم آتی ہے کہ مادہ قدیم ہے۔ اور
 یہ مات محال ہے کہ دو قدیم ہوں۔ اگر لے مادہ پیدا کیا تو پہر نکال
 عالم کس حیر پر کیا۔ کیونکہ وہی موجود تھا اور اس کے سوا کچھ نہ
 تھا۔ اگر ایسی وجود میں رکھا تو یہ محال ہے کہ قدیم محل حادث ہو۔
 اور اس سے خارج بھی کوئی شے مقصور نہیں ہے۔ اور یہ کما حقہ سوا
 اول و دوم مین بیاں ہو چکا ہے۔ وہاں دیکھا جائے۔ ہر آئینہ یہ
 مات لارم ہوئی کہ دات خدا مصدر تمام عالم ہے اور عالم دات
 میں ہے پس تاس ہوا کہ عالم اس کا ولد ہے پس آئینہ۔ لحد بلبل
 والحد یکن لیل مائل ہے۔ معاذ اللہ کہ یہ آیت مائل ہوئی پس لازم
 ہوا کہ وجود ایک ہے تاکہ یہ آیت درست ہووے کیونکہ یہ وجود یہ

وجود میں لگانگی ہے تو اس وجہ سے ہر چیز تمام اشیاء میں منتقل ہو جاتی ہے۔ اور سب کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ پس اس کا نام تولد نہ رکھنا چاہئے۔ کیونکہ اس وجود کی خاصیت یہی ایسی ہے کہ ہر جزو میں کل اور ہر کل میں سو ہزار جزو رکھتا ہے جیسا کہ کہا گیا ہے کل شئی فی کل شئی اور شعر شاعر کا بیچ اس معنی کے بیت

دل یک قطرہ را گر بشکافنی | برون آید از و صد بحر صافی

پس اگر جو چیز کہ اندر ہو اور باہر آ جاوے یہ زادن اور تولد نہیں ہے۔ بلکہ سیر وجود ہے۔ جیسا کہ انسان جب گہر میں تھا وہی تھا اور جب بازار گیا تب بھی وہی تھا۔ ہرگز دو نہوا۔ پس مبداء وجود میں تمام قابلیات وجود میں تھیں۔ اور جو کچھ کہ اس کے قوت و استعداد میں تھا ظاہر ہوا۔ بلکہ بنظر تحقیق وہی مبداء ہے کہ موجود ہے۔ اور سوا اس مبداء کے کسی چیز کا ظہور نہیں ہے۔ باین اعتبار کہ ہمہ چیز تمام اشیاء میں ہیں پس وجود۔ لحدیل و لحدیل لد ہے۔ تغیر و تبدل کچھ نہیں ہوا۔ الا ان کما کان جیسا تھا ویسا ہی ہے۔ حالت اصلی سے ہرگز تغیر نہیں ہوا۔ اور جو کچھ کہ تکوید کہلائی دیتا ہے اور ولد معلوم ہوتا ہے۔ سیر و گردش اس وجود کی ہے اسی وجود میں۔ جاننا چاہئے کہ جو کچھ موجود ہے وہ حق ہے سوا اے حق کے کوئی تھے موجود نہیں۔ ولد ہی وہی ہے اور والد ہی وہی۔ پس ولد تولد و تولید اور مولود کہاں رہا۔ اور ولدیت اور والدیت دور ہوئی جانتا چاہئے کہ وحدت جو دین والد و مولود مرفوع ہے مگر جب کہ دو وجود جانو گے ایک کو خالق اور دوسرے کو مخلوق ہر آئینہ والد

قوة سے آتے ہیں اور ہر فعل میں صورت پکڑتے ہیں۔ اور اوٹم ہی جس کے
 موجود نہ تھی اس وجود کی قوت میں تھے۔ اور ہر شے اس وجود کے قوت
 میں ہے لیس امتیاز کا قوت سے فعل میں آتا تو لہ ہے کیونکہ یہ ایسا وجود
 ہے کہ ہر قوت میں صد ہر فعل اور ہر فعل میں صد ہر قوت رکھتا ہے
 لیس وجود کی ایک صفت سے دوسری صفت پیر سرور گردش کرنے کا
 نام تولد اور ولد اور مولود ہے۔ اور یہ وجود ہمیت آپ سرور گردش
 میں رہا ہے اور حاصیت اس وجود کی ایسی ہے کہ ہر دم اس میں
 دوسری شاں یا ملی حاتی ہے۔ چاہے وارد ہے کہ کل لوی و حق
 فی شاں لیس کیا کہتے ہو اس میں کہ جب کہ حق شاں دیگر میں
 رہتا کیہ اور رہتا اور اس کہ دوسری شاں اختیار کی بدل گیا۔ اور ہر آئینہ
 خدا سرور نہیں بدلتا۔ اور قلب حق محال ہے۔ اور یہ سرور وجود کی ہے
 اپ میں۔ متوی

مردمی ماید کہ مانند شہ شانس	تاشا سد شاہ را در ہر لاس
کل یوم ہو فی شاں نحو ال	مرد را بیکار و دے علی شاں
کتریں کار لیت در در و شاں	کو تہ لشکر می کد ایں سو و ال
لشکرے را صلاب سوئی امہات	ہر آں تا در رحم را ید مات
لشکر از ارحام سوے خاکداں	تا در و مادہ یر گرد د جهان
لشکر خاکداں سوئے اصل	تا بہ مید ہر کسے حس عمل

مگر جانتا جاتا ہے کہ حاصیت اس وجود کی ایسی واقع ہوئی ہے
 کہ قوت سے فعل میں اور فعل سے قوت میں آمد و رفت رکھتا ہے
 تو اس سرور وجود کا نام تولد رکھنا نہ چاہئے۔ اور جب کہ فی الحقیقت

وجود کچھ نہیں ہے۔ پس اگر انسان ہے وہ بھی وجود ہے اور حیوان ہی وہ
 بھی وجود ہے۔ اور عناصر و آسمان اور ماہ و اقیانوس کو اکث و غیرہ یہ سب
 وجود ہیں۔ اور کوئی وجود خارج وجود سے نہیں ہے۔ اس واسطے کہ وجود وجود
 ہے اور عدم عدم۔ یہی تفسیق نیست است تاہست است چہست است
 و اگر نہ ماہست است۔ پس اگر جتنے تو وہ غیر انسان نہیں ہے۔ کیونکہ ولد
 بھی وجود ہے اور والد بھی وجود اس شے کو کہتے ہیں جس میں ہستی
 و نمود و نشان ہو۔ اور جو کہ علاوہ ان صفات کے ہے وہ وجود نہیں ہے
 کیونکہ وجود میں بھی صفات ہیں اور جس شے میں یہ صفات نہیں وہ
 وجود نہیں رکھتے۔ اسی سبب سے حکما وجود ملائکہ کے منکر ہیں اور نیز جنات
 کے کیونکہ یہ قوم نمود و ظاہری نہیں رکھتے۔ اگرچہ یہ گمان حکما کا باطل ہے
 لیکن اصل کلی یہ ہے کہ جس ہستی میں نمود و نشان نہ ہو وہ نہیں معلوم ہو سکتی
 کہ ہستی ملک کی داخل عدم ہے پس اگر وجود سے وجود پیدا ہوا ہو
 یہ یقین وجود والد یا یقین ولد ایک ہے اور اس کو جتنا نہیں کہتے۔
 جتنا اس حالت میں تھا کہ وجود عدم کو یا عدم وجود کو جتنا۔ پس یہ
 گردش وجود کی فی الحقیقت نہ جتنا ہے۔ کیونکہ ہر حال میں پانچ
 چیز سے اسم وجود کا سا قدا نہیں ہے۔ یعنی یہ کہ یقینات وجود بھی ایک
 یقین ہے اور اس یقین سے وجود نہیں ہوتا۔ اور یقین وجود کا سوا
 یقین اس وجہ کے نہیں۔ اور اگر وجود سے عدم پیدا ہوتا تو وجود کے
 لئے ولد لازم آتا۔ اور حقیقت میں وجود ولد کا عین وجود والد کا ہی
 اگرچہ ٹکوں نظر میں دو وجود دکھلائے دیتے ہیں ورنہ وجود غیر وجود نہیں
 عالم قوتہ میں تمام فرزندان آدم علیہ السلام ذات آدم میں تھے۔ اب

ہوتا تو ہم کہہ سکتے تھے کہ یہ وجود والا اس وجود کا ہے۔ پس ولد ہے
 ہے کہ صورت پدر ہو۔ اور جو صفات کہ والدین یا علیٰ حاویں ولد
 میں ہی یا علیٰ حاویں ہیں جب کہ اس کے کوئی لڑکا پیدا ہوتا ہے
 تو وہ صورت اس کے عین اسان ہوتا ہے اور معنی انجلی علیہ السلام
 کا بیج جس کے ہی ہی ہیں پس اسان اگر یہ استاد میں ہو رہا ہوتا ہے
 مگر آخر کو رفتہ رفتہ مثل پدر ہو جاتا ہے اور پھر اس سے لڑکے پیدا ہوتے
 گئے ہیں پس اگر یہ وجود ہی جا گیا ہوتا تو ہر اول عالم مثل اس عالم
 کے مشابہت کے لامر ق موجود ہوتے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اور
 جو صورت کہ پیدا ہوتی ہے اللہ ولد صورت والد ہوتا ہے اور یہ محال
 ہے کہ والد کسی صورت کو جو کہ غیر والد ہو جسے۔ اور اگر اس وجود کے
 ولد ہوتا۔ تو ایک دوسرا وجود اسی قدر سرگرم موجود ہوتا
 اور ہر ایک لڑکا نکال جائے تھا کہ جس میں یہ دونوں وجود سما سکتے
 اور جب کہ ولد درم ہوا تو ہر والد کے ولد ہوتا اسطرح ہر اول عالم ہوتے
 مابین سررگی و صفت کہ ظاہر ہے۔ اور مکاں انکااں سب سے زیادہ
 عالی ہوتا۔ پس یہ محال ہے اور عقل ہرگز قبول نہیں کرتی ہے۔ اور
 انبیاء نے اس بار میں کچھ بیاں کیا۔ پس یہ وجود والد کہتا ہے
 نہ ولد اور ہی مسمیٰ ہیں آیتہ کے کہ یہ ایک وجود ہے کہ نہ پدر ہے اور نہ
 سیرا۔ نہ دیگر وجود اسکے مثل ہے۔ لغارت دیگر ہم اس معصوم کو
 واضح طور سے بیان کرتے ہیں تاکہ اچھی طرح سے سمجھ میں آ جاوے۔
 پس حاسا چاہئے کہ وجود ایک ہے اور ایک سے زیادہ نہیں ہے
 اور جو کچھ اس وجود میں ہے عین اس وجود کا ہے اور اس وجود میں جو کچھ

کہ۔ ہم ملیں و ہم لیں و ہم لیکن کہ کفول احد یعنی خدا واحد ہے
 نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ کسی سے جنا گیا اور نہ کوئی اس کی برابر ہے
 یعنی جیسا کہ تمہارا گمان ہے کہ خدا کے لڑکے لڑکیاں ہیں یا کہ تین خدا
 ہیں یہ غلط ہے خدا واحد ہے۔ یہ قول خدا کا درست ہے مگر یہ بات
 کا حقہ کسی کی سمجھ میں نہیں آئی اور نہ کسی نے اس کو بالتفصیل بیان
 کیا۔ کیونکہ نزدیک اس قوم کے کہ خدا غایب ہے اور دو وجود کے
 قائل ہیں اور نزدیک موحدون کے کہ معتقد ایک وجود کے ہیں کس
 صورت سے ولد اور والد لازم نہیں آتا ہے۔ اگر چنانچہ اہل یسار و کھلائی
 دیتا ہے۔ لیکن فی الحقیقت تولد نہیں ہے۔ کس واسطے کہ اگر تولد ہوتا
 تو ایک سے دو ہو جاتے۔ اگر یہ کہا جاوے کہ یہ تولد کہ ہم کو دکھلائی
 دیتا ہے کیا چیز ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ تولد اس کو کہتے ہیں کہ
 انسان سے ایسی کوہلی شے پیدا ہو کہ غیر انسان ہو صورت وجود میں۔
 یعنی تشخص و لعین ہیں۔ غیر والد ہو۔ واضح بیان یہ ہے کہ عرش اعظم سے
 ترے تک اور فوق عرش سے الے مالا نہایت اور تحت الارض سے
 الے مالا نہایت ایک وجود ہے اور یہ عین حق ہے۔ نہ اسنی کسی کو جنا
 اور نہ یہ کیسے سے جنا گیا۔ یعنی یہ تمام عین ہے وہ دوسرا کو نہ وجود
 ہے کہ اس کو جنے۔ اور اگر یہ وجود کسی کا جنا ہوا ہوتا تو لازم آتا کہ وجود
 والد کا اس ولد کے وجود سے کمان تر ہوتا۔ مگر والد اس وجود کا خود
 پیدا نہیں ہے اور نہ کوئی جانتا ہے کہ والد اس وجود کا کون ہے۔
 پس مقرر ہوا کہ یہ وجود نہ کسی سے جنا گیا اور نہ اس نے کسی کو جنا
 کس واسطے کہ اگر کوئی وجود دہرا اس وجود کا کہ عرش سے ذریعہ

لے کہ میت ارہتی فریاد کرد
ملہاے یار گونہ است ای سلیم

نعت فرعون میداں ار کلیم
میں خانہ جایا ہے کہ نیستی ہستی ہے۔ اور دونوں ایک ہیں ہرگز ایک دوسرے
سے جدا نہیں اور سوائے خدا کے کوئی موجود نہیں جو کچھ ہے وہی ہے

رباعی

ہر کسائی مجرم اوست ہمہ
غیر اوست و گرمو و دے

ہر طرف سگدرم اوست ہمہ
گر لود بیچ ندارد لودے

بیت

میت بیچ اندرین میاں حرق
باد حق بچیت گفتن احق

ہر اکیہ اس تمام تقریرات مالا سے معلوم و مات ہو گیا کہ سوائے خدا کے
کوئی تے وجود نہیں رکھتی اور اگر وجود رکھتی ہے تو اس کی ہسی معدوم ہے
سوائے چہارم ہر ایک موجودوں کے جس کہ وجود ایک ہے اور وہی
حق ہے تو یہ قسمت خدا کی جو کہ اس کے کلام پاک میں ہے کہ۔ لم یلد و لم
یولد و لم یکن لہ کفو احد اس کی ذات یہ کس طرح صادق آسکتا ہے
جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ وجود کے والد اور مولود سب موجود ہیں اور ایک
پیدا نہیں جو بجا ماہر کہ آیت تفریہ ہے اور رد ہے واسطے احوال القادر
کے کہ وہ حاض کر عیسے کو لیر خدا کہتے ہیں اور بعض میں خدا کے قائل ہیں
اور یہودی عربیہ بنمیر کو لیر خدا کہتے ہیں۔ اور ملائکہ کو دھڑاں خدا القصور
کرتے ہیں۔ اس لئے واسطے منکر منکر اس قوم کے یہ آیت بارل کی

با کہ گویم در جهان یک گوشت نیست اے در یغا پیچ کس را نیست تاب این سخن را در نیا ید گوش خر	ز انکہ آن جا هیچ دل با ہوش نیست ویدہ ہا کور و جان پر آفتاب گوش خر بفر و ش دیگر گوش خر
--	---

پس باعتبار یگانگی و وحدت وجود کے جو کچھ کہا جاوے روا ہے کہ بے شک
و بے مانند و نمونہ ہے۔ لیکن جبکہ وجود ہوں گے یہ بات محال ہوگی
اور ہرگز تعقل کامل اثبات دو وجود کا نہیں کرتی ہے۔ بلکہ جو کچھ دیکھتی ہے
ایک ہے وجود بزرگ و صورت کو دیکھتے ہے۔ کیونکہ فی الحقیقت وجود واحد
ہے۔ جیسا کہ فرمایا مولانا اے رحمت اللہ علیہ نے۔

مشنوی

چون ز بزرگی اسیر رنگ شد چون بہ بزرگی شدے کان داشتہ گر ترا آید بدین نکتہ سوال آن عجب این رنگ از بزرگ خواست اصل روغن ز آّب افزون میشود چون کہ روغن را با آب اسرشتہ اند چون گل از خارست خار از گل چرا یا نہ جنگست این برای حکمتست یا نہ آنست و نہ این حیرانیست چون عمارت آن تو ہم از انتہا و عمارت سستی و جنگی بود	موسی با موسی در جنگ شد موسی و فرعون از پنداشتہ رنگ کے خالی بود از قیل و قال رنگ با بزرگ چون در جنگ خواست عاقبت آب صد چون میشود آب بار و غن چرا صد گشتہ اند ہر دو در جنگ آید اندر ما چرا بجو جنگ خود فروشان صنعتست کنج باید جنبت این ویرانیست کنج بنود و عمارت جا بجا نیست را از مسرت ہا تنگی بود
---	--

کیونکہ ایک دوسرے کے ماسد ہیں ہیں۔ آسماں مانند زمین کے نہیں ہے اور میں مانند آسماں کے نہیں ہے اور نہ خاک ماسد آب کے اور نہ آب ماسد ماؤ کے اور ماد مانند آگ کے پس آگ کو ہوا سے پہنچا ل سکتے ہیں یعنی علی ہذا۔ کیونکہ کوئی حر دوسرے حر کے ماسد نہیں ہے۔ اور کوئی درخت دوسرے درخت کے ماسد نہیں۔ کہیں تنگ کہ ڈالیا ایک درخت کی آئیں میں ہر گر مشابہ ایک دوسرے کے نہیں ہوتیں بلکہ مٹا تفاوت ہوتا ہے۔ پس یہی مات ہے کہ وجود تمام کائناتے شکل و صورت اور بے ماسد اور سچوں وے مشبہ وے مموہ ہے۔ بریت

چوں ہر جہ ہست در ہمہ عالم ہمہ ہم	ماسد در دو عالم ہر جہ ہست
----------------------------------	---------------------------

رباعی

چونکہ ہمہ دوست تان چوں سود	خیر سودہ است عیان چوں سود
چونکہ ہمہ دوست خلط چوں حوری	فکر حرد را خلط چوں بری

پس محضی ہر ہے کہ کوئی حسن دوسری حسن کی مشابہ نہیں ہے جس تو کنا ملکہ کوئی درہ جس کا دوسرے درہ کے ماسد نہیں ہے۔ تمام درہ بے مثل و بے مموہ و بے شکل و بے مشبہ ہیں محض مموہ و مگر وجود میں ایک معنی ہیں۔ اس سبب سے ہی بے مثل و بے ماسد ہیں۔ حیا کہ اویر مذکور ہوا۔ مگر اسے طالب تجہ میں آنکھہ نہیں کہ تو اس کو دیکھے۔ اس کے واسطے لطو در کا ہے کا قیل۔ بریت

کے مگر دنیج کہہ لور سور	دیدہ حواس کہ شد رور کور
دیدہ ماید تانہ ماید روی دوست	ہر جہ در وے سگردا ملکہ دوست

چیز کو دوسرے سے مشابہہ کرتے ہیں۔ غیر اس چیز کے ہو جاوے تاکہ اس کو نشان دے سکیں۔ پس اگر وہ غیر عن چیز ہے۔ تو اس چیز کو کسی چیز سے مانند نہیں کر سکتے۔ کس واسطے کہ تعین و تشخیص شے کا غیر اس شے کے ہونا چاہئے تاکہ اس کو مشابہت دین۔ کہ یہ شے اس شے کے مشابہ ہے۔ اور جب کہ ایک ہی شے ہو تو اس کو کس اعتبار سے صفت کر سکتے ہو۔ ہر آئینہ ممکن نہیں کہ اس شے کی صفت کی جاوے مگر ساتھ اسی شے کے۔ بلکہ یہ بھی ٹھیک نہیں بجز اس کے کہ اس شے میں نگاہ کرو۔ پس اسی طور جانا چاہئے کہ وجود غیر وجود نہیں ہے۔ اور نام تمام اشیاء کا ایک وجود ہے۔ پس غیر اس وجود کے کوئی شے ہونی چاہی کہ اس کو مشابہت دین۔ اور جب کہ غیر وجود وجود کی مانند ہو گا۔ تو وہ غیر وجود نہیں ہو سکتا۔ بلکہ عین وجود ہو گا۔ تفصیل اس اجمال کی ہے کہ عالم کا کوئی ذرہ دوسرے ذرہ کے مانند نہیں۔ اور کوئی وجود مثل دیگر وجود کے نہیں مثلاً آسمان مثل و صورت میں مشابہ زمین کے نہیں ہے۔ اور نہ زمین مثل آسمان کے۔ مگر بحسب نمود آسمان بھی ایک وجود ہے اور زمین بھی۔ اور اربعہ عناصر بھی شکل میں ایک دوسرے کے مانند نہیں ہیں جیسا کہ نظر آتا ہے۔ مگر وجود میں چاروں ایک جز ہیں۔ پس اگر آسمان کی تعریف ایسی جگہ کی جاوے جہاں کہ آسمان نہیں ہے تو کس طرح اس کی تعریف کی جا سکتی ہے اور کس طرح دکھایا جاسکتا ہے جب تک کہ آسمان نہ نظر آئی پس ممکن نہیں کہ آسمان کو کوئی پہچان سکے اور نشان دے سکے۔ پس یہی مطلب عس وقت بی برنی کا ہے۔

ہناسان کو حیوان سے اور نباتات کو جمادات سے نہیں پہچان سکتے

اندرونِ محفلِ نداءِ اہلِ حقانِ جان

ہم آئی و ہم ایسی۔ ایں و ایں

ایں جان کہ ایک ہی وجود ہے کہ اسم و رسم اس سے منقطع ہے
 اور باعتبار دیگر سب کچھ ہے اور وہ وجود کسی حیر کی مثل نہیں ہے۔
 لیکن مثلاً شیء و ہوا السميع النصیر۔ خلعت اس کی ہے کس واسطے کہ
 جو حیر ہے اسکا نام وجود ہے۔ اور وجود ہر گرد و چیر ہیں کہ ماسد و مشہ
 اس کے یائی جاوے۔ ایں بحیثیت وجود کے۔ بحیثیت نمود کے یہ وجود
 نے شکل وے مانند اور بے نمود ہے۔ کس واسطے کہ نمود وجود کا نہیں
 دکھا سکتے مگر ساتھ وجود کے۔ اور سخن وجود کا نہیں کر سکتے مگر ساتھ وجود
 کے۔ اور ماسد وجود کوئی حیر نہیں ہے مگر وجود ہے۔ ایں وجود غیر نمود
 نہیں ہے۔ کیونکہ وجود نام ایک نئے کا ہے۔ مثلاً آدمی ایک حیر کا نام
 ہے۔ اور کسی نے کہا کہ دست و پا آدمی کے ماسد ہیں۔ اور علی بن القیاس
 آدمی کی ہر حیر کا نام علیہ ذکر کہہ لیا گیا ہے۔ اگر ہر نام ہر اسم آدمی ہر آدمی
 کہ دست آدمی۔ یا بے آدمی۔ سر آدمی۔ لیت و سیہ آدمی۔ تو اس میں
 اصافہ تمام اشیاء کی آدمی کی طرف ہے۔ اور آدمی جامع ہے اں
 تمام چیزوں کا۔ ایں یہ ہیں جو سکتا کہ سر آدمی غیر آدمی ہو یا کوئی عضو
 آدمی کا درائے آدمی ہو اور آدمی جامع تمام حیر کا ہے۔ اور آدمی ایک
 حیر کا ہے اسطرح سے حاسنا چاہئے کہ وجود ایک ہے اور حیر کچھ ہے
 اصافہ وجود اس سے منقطع نہیں ہے۔ جیسے کوئی کئے کہ میں ایں
 نہیں کیا ہے۔ اک سے ہے اور شے کیا ہے وجود ہے ہر آئینہ جو کچھ
 ہے وجود ہے۔ اور وجود غیر وجود نہیں ہے کہ وہ شکل و نشان و نمود
 و مانند رکھتا ہووے۔ کیونکہ یہ تمام اعتبارات غیرت سے اللہ ایک

تو بس عین عالم ہے۔ کیونکہ جو کچھ ہے وہی ہے عالم کچھ نہیں ہے اور کوئی
 شے بجز اس کے نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بات محال ہے کہ اس کا غیر ہو۔
 اس تقریر سے کہ بیان ہوئی یہ ثابت ہو گیا کہ وجود ایک ہے ایک سے زیادہ
 وجود نہیں۔ وہی معقول ہے وہی محسوس ہے۔ غیر اس کا عدم ہے۔ بلکہ جب
 کہ نام عدم کا لیا تو عدم کے واسطے ہی وجود ہے۔ پس وہ ہی وہی ہے
 البتہ اگر اس اعتبار سے کہو کہ خدا محسوس نہیں اور معقول نہیں تو روا
 ہے۔ کس واسطے کہ جب کہ محسوس و معقول سب وہی ہے۔ ہر آئینہ و
 نہ محسوس ہے نہ معقول۔ بلکہ سب وہی ہے۔ کس لئے کہ یہ سب اس کے
 نام ہیں۔ جب کہ ناموں کو الگ کر لو تو ایک وجود دکھائی دے گا۔
 لیکن اس اعتبار سے کہ وجود دو ہیں اور خدا غیر عالم سے خلاف مشکوٰۃ
 لازم آتا ہے کہ خدا محسوس ہے۔ لیکن اگر اس اعتبار سے کہو کہ ایک جو
 ہے سب درست ہے کہ خدا امکان ہے۔ غیر محسوس ہے۔ قدیم ہے
 خدا اور نہ شکل و نمونہ نشان اور مانند نہیں رکھتا ہے۔ کیونکہ وحدت
 وجود میں یہ سب اعتبارات منقطع ہیں۔ جب کہ وجود ایک ہے تو
 اس میں اضافات و اعتبارات کی کچھ ضرورت نہیں۔ کما قیل التوحید
 لا یحتاج الی اضافات۔ عند الموحدين جب تک اضافت باقی ہے۔ ہنوز
 شرکت ہے جبوقت کہ تم اضافت کو دور کرو گے تو نہ اس کا مکان لازم
 آسکا نہ حس نہ شکل نہ چگونگی نہ تشبیہ اور نہ مانند۔ ذات مطلق کو بی کم و بیش
 و بے اسم و رسم مشاہدہ کرو گے نہ اس ذات پر اسم خالقیت دیکھو گے
 نہ مخلوقیت۔ کس واسطے کہ دونوں ایک ہیں۔ رباعی

ہے ہمہ آشکار و از حبلہ ہان | در عین عیان بختی و در خفیہ دیان

خلق کے ردیکہہ سکتے ہے۔ اور یہ یہاں سکتی ہے۔ اور اہل تحقیق کا
مقولہ ہے کہ رب کو رب سے ڈھونڈنے کے واسطے آئو۔ کما قیل
عَرَفْتُمْ رَبَّیْ نَعْلَمُ وَ عَرَفْتُمُ اللّٰهَ مَا لِلّٰهِ لَہِیں ہر چیز خدو مائی ہر
کو یہاں تی ہے۔ کما قال مولانا سے حلال الدین رومی

مشنویہ

توقیامت تو قیامت راہ میں	دانش ہر چیز را شرط ستاں
آفتاب آمد دلیل آفتاب	گر دلیلت مایدار وی رومتاب

یہ قول مشکلیں کا کہ خدا کو غیر محسوس کہتے ہیں مائل ہوا۔ کیونکہ تامت ہوا
کہ خدا محسوس ہے۔ اور۔ عالم ہی محسوس ہیں ہے تو کہا چاہئے کہ خدا
میں عالم ہے۔ یہ مقصد ہمارا حاصل ہو گیا کیونکہ ہماری عام تقریر و کا
مقصد و مشایہی ہے کہ حلق میں خلق ہے۔ ہر گز خدا ہیں ہے ملک نام
خلق کا سا قلم کرتا ہوں تاکہ صحت حق کو دیکھیں۔

شنوی

کار کس در کار گہ ماتد ہاں	تو ہر دور کار گہ میں عیاں
کار کس در کار گہ ہر دور ہر تید	کار کس در کار گہ ہر دور ہر تید
کار گہ ہر دور ہر تید ہر تید	کار گہ ہر دور ہر تید ہر تید
پس در آور کار گہ ایسی عدم	پس در آور کار گہ ایسی عدم
کار گہ چوں جای روش ویدہ گشت	کار گہ چوں جای روش ویدہ گشت
اسے خبر یہ اس معلوم کرنا چاہئے کہ جب یہ مات تامت ہو گئی کہ حق محسوس	اسے خبر یہ اس معلوم کرنا چاہئے کہ جب یہ مات تامت ہو گئی کہ حق محسوس

درست نہیں کیونکہ دانش لطیف سمع و بصر کے پیدا ہوئی پس محسوس ہوئی
اور اگر یہ کہو کہ یہ دانش غیر محسوس ہے۔ اور خدا کو ہم نے جس سے دریافت
کیا ہے مگر وہ بھی غیر محسوس ہے۔ تو اس کا اسم ذات کہ اللہ ہے محسوس ہے یا
غیر محسوس۔ اسم غیر محسوس درست نہیں تو لازم ہوا کہ اسم خدا محسوس
ہے۔ کسو اسطے کہ گوش و زبان میں آتا ہے۔ پس یہ بات کس طرح درست
ہو سکتی ہے کہ ذات غیر محسوس و معقول۔ اور اسم محسوس نام معقول
اور جب تک جس کسی چیز کا نام نہ رکھی اور بیان نہ کرے اور نہ کہے
تو کوئی شے غیر اپنی کو خصوصاً نہیں پہچان سکتے اور نہ نام رکھ سکتے ہیں
جیسے کہ عدم غیر وجود ہے اور وجود غیر عدم ہے کوئی ایک دوسرے کو نہیں
پہچان سکتا ہے۔ اور اگر یہ کہو کہ وجود نے خاص کر عدم کا نام رکھا کہ عدم
ہے۔ پس وجود نے عدم کو جان لیا۔ جانتا چاہئے کہ وجود فی عدم کو
پہچان لیا ہے کیونکہ اگر وجود عدم اللہ ذاتی و شے و صفی کا خاطر وجود
میں آبا اور نام اس کا عدم رکھا تو حال ہے کہ عدم صرف کا۔ وجود
نام رکھے۔ اس لئے کہ جو کچھ عدم ہے عدم ہے اور جب وجود نے
عدم پر نام رکھا۔ ہر آئینہ وہ بھی داخل وجود ہوا۔ پس عدم اس شے کا
کہ ہر گز احاطہ و فکر وجود میں نہ آوے اور جو کچھ کہ وجود اس پر نام رکھے
اور فکر وجود میں آجاوے۔ ہر آئینہ وہ بھی وجود ہے۔ پس مقرر ہوا کہ گوئی
شے خاص کہ غیر اپنی جنس کو نہیں پہچان سکتے۔ تو اس سے ثابت ہوا
کہ خدا خلق کو نہیں پہچانتا ہے اور خلق خدا کو نہیں پہچانتی۔ اس واسطے
کہ دونوں غیر یکدیگر ہیں۔ اور جنس ایک دوسرے کی نہیں پس خدا
سوائے خدا کے اور کسی کو نہیں پہچان سکتا ہے۔ اور خلق سوائے

اپنی حس و عقل سے نہیں جانتے بلکہ حیرئیل کے کہنے سے کہ وہ فرشتہ ہے اور نے حس ہے۔ اور اس پر رسول سے کہا کہ حد ایسا اور ایسا ہے تو حیرئیل حیرئیل کو راہ گوشت سے تھے یا صورت دیکھ کر مقصود دل معلوم کر لیا کرتے تھے۔ اگر راہ گوشت ملتے تھے تو حد اکو حس مع سے جانا اور ایسی رہاں سے آدمیوں سے میاں کیا اور لوگوں سنا اور اعتقاد کیا۔ یس ہاں گوشت حسرت کے اور آدمیوں کے حس ہیں یس حد اکو حس سے حد کیا۔ بلکہ اگر میں حیرئیل کو دیکھ کر اس کا ارادہ معلوم کریتے تھے اور آدمیوں سے میاں کہتے تھے تو ہی حد اکو واسطہ حس دیامت کیا کیونکہ آئینہ ہی تو ایک حس ہے۔ کس واسطے کہ جب تک حیرئیل کو نہ دیکھتے کہے لغزانی کہ حق ایسا کہا ہے۔

رامعی

علم عیسیٰ کس میں ہند اندھ پروردگار	حیرئیل میں ہم گفتی تا۔ گفتی کردگار
------------------------------------	------------------------------------

اور اکثر حیرئیل کے لغیر ہی حسرت معلوم کر لیتے تھے کہ حکم خدا یہی ہے عیا کہ اکثر اور امیائے سالفین گدے ہیں کہ بلا واسطے حیرئیل کے یہ عام خدا اول تک آیا۔ لیکن اگر ان کے چشم و گوشت و زبان نہ ہوتی تو حکم خدا کس طرح مخلوق کو سناتے اور کس طرح خود معلوم کرتے یس اس تقریر سے معلوم ہوا کہ خدا محسوس ہے یا معدوم۔ کیونکہ اگر نام خدا لیتے ہو تو واسطے حس لیے ہو یس خدا محسوس ہے۔ یس کیا ہر اعتقاد ممکن کا کہ خدا کو غیب محسوس لقور کرتے ہیں حالانکہ وہ محسوس ہے۔ اور اگر مرص کیا میں نے کہ خدا غیر محسوس ہے تو تمہارا یہ والش کہ خدا محسوس نہیں ہے۔ آیا محسوس ہے یا غیر محسوس۔

ہے اور خلاف ضرورت کوئی شے نہیں۔ تو اس تقریر سے ثابت ہوتا ہے
 کہ خدا روح ہے۔ کیونکہ روح محسوس نہیں ہے۔ والا نہ خدا محسوس ہے۔
 اور اگر یہ کہو کہ خدا نہ تو محسوس ہے نہ معقول اور نہ روح ہے نہ جسد۔ اور
 نہ کسی احاطہ میں آسکتا ہے۔ تو میں دریافت کرتا ہوں کہ یہ دانش کہاں
 سے تم میں آئی کہ محسوس ہے نہ معقول نہ روح ہے نہ جسم نہ مانند ہے نہ شکل
 نہ نشان سے نہ مکان اگر یہ کہو کہ ہم نے رسول سے سنا ہے کہ اس طرح تعریف
 کی۔ تو سخنان رسول کس طرح تم تک آئی۔ اگر یہ کہو کہ پذیرہ گوش کے
 میں نے سنا ہے اور زبان سے کہتا ہوں۔ تو سپر گوش و زبان کیا چیز ہے۔ اگر
 یہ کہو کہ حس نہیں ہے تو غلط ہے۔ اور اگر حس ہے تو خدا کو بواسطے حس کے
 معلوم کیا پس خدا محسوس ہوا۔ اگر اچھی طرح سے نظر کرو تو معلوم ہووے کہ روح
 بھی بواسطے حس کے جانی گئی ہے۔ اور روح صرف ایک حس سے کہ سمع ہے
 پہچانی جاتی ہے وہ یہی محسوس ہوئی۔ پس اسی طرح سے خدا کو کانون سے
 سنتے ہو زبان کہتی ہو۔ فکر سے جانتے ہو۔ ہر ائیہ لازم ہوا کہ وہ یہی محسوس ہے
 کس واسطے کہ جو چیز کہ اصلاً محسوس و معقول نہیں ہے محال ہے کہ حس اس کا
 نام رکھے یا نام اوس کا سینے اور وہ احاطہ حس میں آجاوے۔ پس جب کہ
 خدا کا نام زبان سے لیتے ہو تو اوس کو محسوس ہی جانتے ہو۔ کیونکہ زبان حس سے
 اور بات زبان سے کہتے ہو اگر دل سے خدا کو پہچانتے ہو تو یہی محسوس ہے۔ کیونکہ
 جب تک سمع میں کوئی چیز نہ منو جب تک دل میں کسی شے کی فکر نہیں
 آسکتی۔ پس کہنا۔ دیکھنا۔ جانتا۔ سنا۔ یہ سب حس ہے اور جو شے بواسطے
 آن کے مد رک ہو وہ محسوس ہے۔ اس سبب سے جنید بغدادی حیات
 علیہ نے کہا ہے کہ من عرف الله لا يعقول الله۔ اگر یہ کہو کہ ہم خدا کو

ہر آئینہ لازم آیا کہ حق بھی محسوس ہے۔ کیونکہ معرفت خدا کی واسطے عقل ہے اور مدار عقل کا جس سمع پر ہے۔ کیونکہ جو شخص کہ مادر را دہرا ہوتا ہے۔ گو گھما ہی ضرور ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ کوئی حیرت سنا ہے ہیں ہے کہ کہوی اور دیکھو کہ فرداں اہل فارس رماں عربی سے اور اہل عرب رماں عربی سے مطلقاً ہرہ و ما شاہوتی میں کیونکہ وہ آل الفاظ کو حب کہتے ہیں تو کہہ ہی نہیں سکتے بیاں وہی حیر کی جاتی ہے کہ جو سماعت میں آوے پس معلوم ہوا کہ گویائی کو واسطے سمع کے ہے۔ اور جس میں سوا علی اور گویا علی یا حادے کی وہ اللہ عقل سے لے ہرہ ہو گا۔ اور خدا کو یہ بیجا لے گا۔ اس سے نامت ہوا کہ خدا کو ہیں بچاں سکتے مگر واسطے سمع کے۔ اسی وجہ سے سمع کو لصر پر فصیلت ہے۔ کہ جب اسان بنے کچھ سا اس میں جو دو فکر کر کے استقلال کیا تو حتی تک رسائی میسر ہوئی کیونکہ واسطے فکر کے خدا تک رسائی ممکن ہے۔ اور فکر ایک حس ہے۔ اور اس کی قوت سمع سے ہے اور حضرت معلم نے فرمایا ہے۔ کہ ہندہ کو خدا تک پہنچا دیتی ہے۔ کیونکہ جو شخص کہ مادر را دہرا د گھما ہے۔ اس کے لئے خدا کی معرفت محال ہے۔ کہ وہ نہ تو کچھ سنا ہے کہ گہر اور فکر کرے۔ اور وہ لول سکتا ہے۔ ہر آئینہ ایسی شخص کا وجود کا عدم ہے۔ تو لازم ہوا کہ خدا کو لے سمع و لصر کے ہیں بچاں سکتے۔ کیونکہ جب جو اس ظاہری معدوم ہیں تو جو اس باطنی ہی سیکار ہیں اور جب کہ جو اس عترہ بحر روح کے معدوم ہیں تو روح تنہا ہے جو اس کے خدا کو ہیں بچاں سکتے۔ کیونکہ اگر روح کو معرفت خدا کی ہے جو اس میسر ہوئی۔ تو ہرگز روح جسم محسوس کو۔ نیستی۔ کیونکہ اس وجود میں کوئی سے عہث نہیں ہے۔ جس حیر کی حصر صروت تھی اس طرح ہو گا

وہم و خیال تک پہنچایا۔ وہم پر قیاس گذشتہ نے اپنا عمل کیا۔ اور خیال
 اس کو تختہ میں لایا مثلاً دنیا میں ایک چاند دیکھا تھا خیال ہزار چاند کا تختہ
 کر سکتا ہے۔ لیکن اگر حس مشترک اس تک کوئی شے نہ پہنچا دے
 تو خیال کسی شے کو تختہ میں نہیں کر سکتا۔ اور جب حس مشترک فی حافضہ میں
 پہنچایا۔ تو حافضہ نے اس کو نگاہ رکھا۔ حافضہ بمیزانہ لوح کے اور خیال مثل
 کاتب کے ہے تو جب تک باہر سے کوئی شے خیال تک نہ پہنچے۔

خیال اس کو لوح حافضہ پر نہیں لکھ سکتا اور حافضہ نگاہ نہیں رکھ سکتا۔ اور
 جب حس مشترک متصرفہ میں پہنچاتی ہے۔ تو متصرفہ ایک چیز کو ہزار چیز کے
 ساتھ فکر کرتی ہے۔ اور مقدمات قائم کرتے ہے۔ پس جب تک کہ حس مشترک
 کسی شے کو فکر تک نہ پہنچا دے فکر اس میں تصرف نہیں کر سکتی۔ اس طرح
 حس مشترک جو کچھ حواس ظاہری سے اس کو پہنچتا ہے حواس باطنی تک
 پہنچاتی ہے پس جانتا چاہئے کہ یہ حواس ظاہری و باطنی ایک دوسرے کے
 ساتھ متعلق ہیں۔ اگر حواس ظاہری نہ ہوں باطنی بیکار ہیں اور اگر حواس باطنی
 نہ ہوں تو حواس ظاہری مہمل ہیں اور جو کچھ کہ ان سے مدرک ہوتا ہے وہ
 محسوس ہوتا ہے۔ پس جو کچھ کہ تم دیکھتے ہو۔ سونگتے ہو۔ چکھتے ہو۔ سنتے ہو۔ چومتے
 ہو۔ کہتے ہو۔ جانتے ہو۔ فکر کرتے ہو۔ یہ سب محسوس ہے۔ پس جو لوگ کہ خدا
 کو غیر محسوس کہتے ہیں۔ وہ کس اعتبار سے کہتی ہیں۔ کیونکہ دانائی و بینائی اور
 مثل اس کے یہ سب حس سے حاصل ہوتی ہے۔ اور تمام عالم کو اسی وجہ
 سے محسوس کہتے ہیں۔ اور اگر خدا کو انہیں جس سے دریافت کیا ہے تو البتہ حق
 ہی محسوس ہے۔ کیونکہ عقل ہی محسوس ہے۔ اور روح محسوس نہیں ہے۔ لازم
 ہوا کہ روح خدا ہے۔ اور تم کہتے ہو کہ روح مخلوق ہے۔ تو پھر حق کیا ہے

میں اور پانچ حواس ماطی ظاہری۔ سائہ۔ والیغہ۔ ماضیہ۔ ماضیہ۔ سامیہ۔
 پس جو حیر کل سے معلوم کی جاوے وہ سب محسوس ہے۔ اور حواس ماطی
 حس مشترک۔ وہم۔ خیال۔ حافظہ اور متصرفہ ہیں۔ اور جو حیر کہ اس سے مدد
 ہو وہ بھی محسوس ہے۔ اور عانتا جائے کہ حواس ماطی متعلق بحواس ظاہر
 ہیں۔ کیونکہ حس مشترک جو کچھ کہ اس کو حواس ظاہر سے پہنچتا ہے سو اس
 ماطن میں پہنچاتی ہے۔ اور ہر ہر ایک حواس اپنا اپنا کام کرتا ہے۔ اس میں
 محسوس سے کتنی ہی محسوسات پیدا ہوتے ہیں۔ اور حواس ماطن میں سے
 جو حیر کہ ماہر آماجہ ہے اسے اول حس مشترک میں آتی ہے اور وہ حواس
 پہنچاتی ہے۔ اسی وجہ سے اس کو حس مشترک کہتے ہیں۔ اور عقل کو
 بھی وار دہوا ہے۔ پس عانتا جائے کہ حس عمرہ عقل کے ہے۔ اور معلوم ہوگا
 کہ عقل ہی ایک حس ہے۔ واضح یاں اس میں کیا ہے کہ۔ مقام حس مشترک
 کا دماغ میں ہے۔ جب اس میں کوئی چیز مدد ہو تو اول یہ آوار حس مشترک
 میں پہنچتی ہے۔ اور وہ وہم و خیال و متصرفہ و خیال میں پہنچاتی ہے۔
 اور وہم اس میں عمل کرتا ہے۔ وہم کا کام یہ ہے کہ جو حیر کہ حس مشترک
 نے اس تک پہنچائی ہے۔ اس میں تو ہم و ترد کرتے کہ ایاد دست
 ہے یا غلط اور کسی راست کو غلط اور غلط کو راست تو ہم کر کے آدمی کو
 شک و ریب میں ڈالتا ہے تو جب تک کہ حس مشترک ماہر سے کوئی
 چیز وہم تک نہ پہنچاوے وہم اپنا یہ عمل نہیں کر سکتا اس طرح جب کوئی
 چیز خیال میں پہنچتی ہے وہ اپنا کام کرتا ہے۔ یعنی اس سے کہ خیال کرنا
 مثلاً ایک ماتہ تہی ویسی ہی لاکھ ماتوں کا خیال مالد ہا۔ حالانکہ صرف
 مات ایک تہی۔ کیونکہ آنکھ سے جو چیز حس مشترک میں پہنچی اس نے

النَّعْدَادِيَّ التَّوْحِيدَ قَعِ الْحَدِيثَ وَأَنْبَاءَ الْقِلَّةِ لَعْدَارَاتِ
 قدم ورمع حدت کے ایک وجود نظر آئے گا اور وہی حق ہے اور سوائے اوپر
 کے کوئی وجود نہیں ہے۔ جیسا کہ اس سامعی سے ظاہر ہے۔ سامعی

چوں ہرچہ بہت در بہم عالم بہم مہم	ما تدر دو عالم را ہم پدید نیست
امد در ہاں بہم چو پلور صفت کس مہم	ار بہر ایں بداند مکالم پدید نیست

پس اس اعتبار سے حق لامکاں ہے۔ کہ تمام عالم حق ہے اور تمام مکاں
 کچھ نہیں ہے۔ اور یہ نام عالم واسطے تفہیم کے ہے ورنہ میں نہیں جاہتا
 کہ نام عالم میری رماں سے نکلتے۔ جیسا کہ روایت ہے کہ سلطان ابراہیم ابراہیم
 ایک گروہ رندوں کے آگے گیا۔ ادھوں نے ابراہیم سے دریافت کیا کہ
 تیرا مذہب کیا ہے۔ کہا کہ ہمہ دوست۔ ادھوں نے کہا کھاؤ ابھی تیرے حواریوں
 نے دریافت کیا کہ تمہارا مذہب کیا ہے۔ کہا کہ دوست۔ لفظ ہمہ کو ہم نہیں سمجھتے
 کہ اصاف صوبہ ہیں۔ کیا قیل التوحید استقاط الا صافات۔ پس
 یہ وجود اصاف عین اللہ ہے۔ کیونکہ جو کچھ ہے وجود ہے اور وجود غیر وجود
 نہیں عین وجود ہے۔ اور عدم حیر وجود ہے کہ عین عدم ہے اگر اسکو بھی شمار کرو
 کہ داخل وجود ہے۔ پس جو کچھ ہے وجود ہے۔ ہر آئینہ وجود لامکاں ہے۔ کیونکہ
 اگر دو کہو تو اول دونوں کے مکاں کا وجود غیر آں دو کے لازم آتا ہے۔ تو
 اس حساب سے وجود چار بلکہ بے شمار ہونے لگتا ہے۔ اور یہ محال ہے۔
 العرض ہر اطرع یہ ثابت ہوتا ہے کہ وجود ایک ہے۔ ارشوی مولانا یروم

مشق

لاہکاں کی کاندرو لو ر خداست	ماضی و مستقبل و حال ار کماست
بیش چو مکان ہائے حکم کس نکاں	می دویم ایدر مکاں و لا مکان

عرش غیر مخلوق اور قدیم ہے اور اگر ایسا ہے تو وہ خدا ہے۔ کیونکہ دو قدیم کا ہونا
 محال ہے۔ اور یہی لازم آتا ہے کہ خدا کا مکان عرش پر ہے۔ اور آیت اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 علی العرش السعوی ہی درست ہے۔ اور جب مکان لازم ہوا تو جسم
 ہی لازم ہے۔ اور جب کم سکون و حرکت لازم ہے۔ اور یہ خلاف اعتقاد کے ہے
 اور اگر یہ کہو کہ فوق عرش کچھ نہیں ہے جو کچھ ہے لا نہایت تک تمام عرش ہے
 اور تخت شرعے لے لا نہایت کچھ نہیں۔ اور یہ سب مخلوق اور حادث ہیں۔
 پس ثابت ہوا کہ مخلوق لا نہایت ہے۔ اور مخلوق لا نہایت نہیں ہو سکتی۔
 لیکن یہ کہو کہ ذات حق کہاں ہے۔ اگر یہ کہو کہ درمیان عالم ہے تو لازم
 آوے گا کہ عالم ہی قدیم ہے۔ یا یہ کہ خدا ہی حادث ہے۔ تو پھر خدا کے لئے دوسرے
 خدا کی ضرورت ہے اس سے تسلسل لازم آتا ہے۔ پس دو قدیم کا ہونا محال
 ہے۔ کیونکہ اگر دو لون قدیم ہونگے تو ایک ہونگے۔ اس واسطے کہ قدیم غیر
 قدیم نہیں ہو سکتا اور اگر دو لون حادث ہوں تو یہ ہی محال ہے اسی قیاس
 اور گالیکت قدیم اور ایک حادث ہو تو حادث مخلوق قدیم ہو جاوے گا اور یہ خود نادر ہے۔ کیونکہ
 اگر مخلوق ہی۔ تو مخلوق خالق کے ساتھ معیت رکھتی ہے یا نہیں۔ اگر کہو کہ رکھتی ہے۔ تو کس طرح
 اور کس صفت سے اس لئے کہ حادث کی ساتھ معیت قدیم کا ہونا محال ہے کیونکہ حیثیت کہ قدیم تھا
 اور حادث نہ تھا قدیم کہاں تھا اور حادث کس طرح پیدا ہوا۔ اور اس کا مکان کہاں ہے۔ اور یہ
 معلوم نہیں جیسا کہ ذکر اس کا کما حقہ اوپر گذرا۔ اور اگر یہ کہا جاوے کہ قدیم کو حادث کی ساتھ
 کچھ معیت نہیں ہے تو یہ بھی باعتبار ذکر بالا محال ہے۔ پس لفظی قدم یا رفع حد
 لازم آتا ہے۔ لفظی قدم محال ہے کیونکہ لفظی قدم سے رفع حد لازم آتا ہے
 تو پھر عدم محض ہوا۔ پس رفع حد ثابت قدم ضروری ہے۔ کیونکہ
 بجز اس کے کوئی اور صورت درست نہیں ہو سکتے۔ کما قال الشیخ جنید

کوئی شے مخلوق نہیں ہوئی ہے۔ جو کچھ ہے خالق ہے۔ اسی کا کہاں۔ اور
 گریہ کہا حادے کے حادے عالم کو لے مادہ لے آگہ اپنی قدرت سے پیدا کیا
 تو بالعرض و التسلیم جبکہ خدا نے عالم کو مخلوق کیا تو مکاں اس کا کہاں قائم کیا
 اور کس طرح ایسی ذات سے خارج کیا۔ اور احسام کا لامکاں ہو یا محال ہے۔
 ایسی عرش اعظم سے ترے تک مکاں اس وجود کا کس حیر ہے۔ اگر یہ کہو کہ
 ترے تک مکاں عالم بریکد گر معلوم ہے۔ تو مکاں ترے کس حیر ہے
 اور یہ کوئی نہیں جانتا کہ مکاں ترے کس حیر ہے معلوم ہوا کہ تمام عالم کا
 مکاں ترے پر ہے مگر ترے قدیم ہے یا حادث۔ اگر قدیم ہے تو میں حق بن گیا غیر
 حق۔ اگر عین حق ہے تو محال ہے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ تمام عالم کا
 مکاں حق پر ہے۔ اور اگر غیر حق ہے اور حادث و مخلوق ہے۔ تو وہ ہی داخل
 عالم ہے اور محسوس ہے کیونکہ مخلوق ایک ہے۔ ایسی عرش اعظم سے ترے تک
 ایک عالم ہے۔ تو اس عالم کا مکاں کس حیر ہے۔ اور اگر یہ کہا حادے کے
 ترے کے واسطے کوئی مکاں نہیں ہے۔ تو لازم ہوا کہ تمام عالم لامکاں ہے۔
 کیونکہ جو حیر کہ تحت ترے ہے اللہ مخلوق ہے یا غیر مخلوق۔ اگر مخلوق ہے تو وہ
 داخل عالم ہے۔ یہاں کے واسطے مکاں چاہئے علیٰ ہذا القیاس تو تسلسل لازم
 آتا ہے اگر تحت ترے غیر مخلوق و قدیم ہے تو وہ ذات حق ہے کہ خالق و
 قدیم ہے۔ اور اگر تحت ترے کچھ نہیں ہے جو کچھ ہے ترے ہے۔ اسے والا
 نہایت دور فوق عرش ہی جو حیر کہ ہے مخلوق ہے یا غیر مخلوق۔ اگر فوق
 عرش پر جو کچھ ہے حادث اور مخلوق ہے تو وہ ہی داخل عالم ہے۔ تو اس کے
 فوق کوئی شے ہوئی چاہئے۔ کہ فوق سے ہر اُمیہ الیٰی لا ہایت متصور ہے
 ایسے مخلوق محدود ہے اور فوق عرش غیر محدود۔ ہر اُمیہ لازم ہوا کہ فوق

اسکی ذات سے ہے۔ تو مادہ کے پیدا ہونے سے اسکی ذات میں کچھ فرق آیا
 یا نہیں۔ کیونکہ بے نقص و کمال ذات میں سے مادہ کا پیدا ہونا محال ہے۔ اگر
 یہ کہو کہ ذات حق مادہ کے پیدا ہونے سے کم ہوئی تو یہ محال ہے کیونکہ ذات
 مطلق ہر گز کم نہیں ہو سکتی۔ اگر کم ہوگی عدم ثابت ہوگا۔ اور موجود مطلق کا عدم
 ہونا اور کم ہونا محال ہے۔ اور اگر یہ کہا جاوے کہ ذات حق زیادہ ہوئی۔ تو ذات
 مطلق کا زیادہ ہونا بھی محال ہے۔ اگر بالفرض زیادہ ہوئی تو عین ذات سے
 ہوئی یا غیر ذات سے۔ عین ذات سے زیادہ ہونا محال ہے۔ اور غیر ذات سے
 بدرجہ اولیٰ۔ کیونکہ اول تو غیر ذات موجود نہیں اور علاوہ ازین غیر ذات عین ذات نہیں
 ہو سکتا۔ پس ثابت ہوا کہ نہ کم ہوئی نہ زیادہ۔ اعلان کچھ کا ان یعنی ذات
 حق جیسی تھی ویسی ہے اور جیسی ہے اسی طرح بیگی بلا کم و بیش۔ پس تحقیق ہوا کہ ذات
 حق قبل از وجود عالم تھی اور اب بھی اسی طرح سے ہے جس طرح تھی تو پہلے اسکا
 مکان تھا یا نہ تھا۔ اگر کہا جاوے کہ ذات باری کے واسطے اسوقت مکان تھا تو یہ
 محال ہے جیسا کہ مذکور ہوا۔ اور اگر یہ کہو کہ اس وقت ذات باری کا کوئی
 مکان نہ تھا۔ تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو کچھ تھا وہی تھا۔ بجز اسکی ذات
 کوئی شے موجود نہ تھی فقط اسکی ذات تھی۔ تو پہلے اس عالم کو کہاں سے پیدا
 کیا اور مکان اس عالم کا کس چیز کو مقرر کیا۔ اور عرض غلظت سے شریٰ تک کہ
 سو ہزار سال کا راستہ ہے کس طرح ذات حق میں سے خارج ہو کر اس کے غیور واقع ہوا
 ہر آئینہ تم یہ کہو گی کہ یہ عالم غیر حق ہے اور کس طرح ذات حق میں سے خارج ہوا
 اگر خارج نہیں ہے تو عین اسکا ہے۔ ورنہ مکان اس عالم کا کیا ہے۔ کیونکہ عالم
 کے واسطے مکان ہونا محال ہے کیونکہ اجسام سے اور اجسام کے لئے مکان
 ضروری ہے۔ اور اگر اس کے لئے مکان نہیں ہے تو لازم ہوا کہ۔ اعلان کچھ کا ان

کہ عالم میں حق ہے مع دلیل ثابت کر دو۔

جو اس ہے۔ عالم میں حق ہے۔ باعتبار اسکے کہ عالم ہی لامکاں ہے اور مکاں عالم
متصور نہیں۔ حکم ایک ہی وجود ہے جو کچھ ہے وہی ہے۔ اس کا مکاں کچھ نہیں۔
کس واسطے کہ اگر مکاں ہے وہ وہی داخل عالم ہے اور وجود ہے۔ پھر اس کے لئے
مکاں چاہی تو تسلسل لازم آتا ہے۔ پس مکاں معدوم ہوا جو کچھ ہے کیس ہے
کیونکہ اگر یہ کہو کہ کس طرح اس بات کو حال سمجھتے ہیں کہ وجود ایک ہے
اور لامکاں ہے۔ تو عاں چاہئے کہ حکم خدا کو قدیم اور عالم کو جدید کہا تو اس سے
لازم ہوا کہ خدا عالم سے پہلے تھا۔ تو اس وقت حق تھا تھا یا کوئی دوسری شے ہو سکتی
ساتھ تھی۔ اگر یہ کہو کہ اسکے ساتھ کوئی تھی۔ تھی حکم کاں اللہ و کم یکن کعبہ شعی
پس کس طرح شے کو اسکے وجود میں کہہ سکتے ہو۔ اگر یہ کہو کہ خدا تعالیٰ نے پیدا کی تو
عالم مادہ سے پیدا کیا یا مادہ۔ اگر مادہ سے پیدا کیا تو مادہ قدیم تھا یا جدید۔ اگر قدیم
تھا تو مکاں اس مادہ کا کس حیر پر تھا۔ اور مکاں مادہ میں مادہ تھا یا غیر مادہ اور
اور یہ دونوں درست۔ پس لازم ہوا کہ اشیاء میں تھا۔ اور میں حق تھا۔ پس
وہ مادہ ہوا ملکات خدا ہوئی حکم کاں اللہ و کم یکن کعبہ شعی۔ اور اگر یہ
کہو کہ مادہ عالم جدید ہے تو وہ مادہ ہوا ملک و وہی داخل عالم ہوا کہ مخلوق ہے۔ تو لازم
ہوا کہ عالم کی مادہ پیدا کیا گیا ہے کیونکہ اگر مادہ ہے تو حادث ہوا۔ اور چونکہ وہ مخلوق
دل ہے اسکو ہی مادہ چاہئے۔ اور یہ محال ہے۔ ہر آئینہ لازم ہوا کہ مادہ کو خدا کی اپنی
دات میں سے پیدا کیا۔ اور جب مادہ دات میں سے پیدا ہوا تو ذات خدا مادہ
موجودات ہوئی۔ پس اس سے لازم ہوا کہ تمام اشیاء میں دات خدا
ہیں کیونکہ مادہ میں سے جو چیز مادی حاد سے لگی وہ میں مادہ ہوگی۔ کہ غیر۔ اور عالم
اشیاء کا مادہ موجود ہونا محال ہے ہر طرح یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مادہ عالم

درست نہیں ہو سکتا۔ وجہ قائم بذات ہے۔ اور ذات درست نہیں ہوتی جب تک کہ مکان نہ ہو وے اور مکان غیر اسکی ذات کے درست نہیں۔ پس وجود عالم کہ غیر اس کا ہے کس طور درست ہو وے اور کس طرح اسکی معیت عالم کے ساتھ پائی جاوے تو ان دلائل سے خوب ترین وجہ ثابت ہے کہ وجود ایک ہے اور وہ خود حق ہے۔ آپ ہی خالق ہے آپ ہی مخلوق ہے۔ خود رزاق ہے خود مرزوق۔ خود طالب ہے خود مطلوب۔ خود کفر ہے خود اسلام۔ خود دوزخ ہے خود بہشت۔ خود آسمان ہے خود زمین۔ خود کوہ ہے خود صحرا۔ خود کعبہ ہے خود تہانہ جیسا کہ مولانا نے شہنوی میں فرمایا ہے۔

مشنوع

ہاں چون جان او تخت پیداد دقیق
در مقامے سد کے درجائے چو مل
در مقامے حنظل و بجائے شکر
در مقامے خشک درجائے نیست تر
در مقامے درد درجائے دوا
در مقامے جہل بجائے عین فضل
چون بدین بجا در رسد در مان بود
چون بہ انگورے رسد شیریں نیک
در مقامے سر گلے نغمہ وام

نکتہ دیگر تو بشنواے رفیق
در مقامے خار درجائے چو گل
در مقامے سنگ درجائے گھم
در مقامے عیب درجائے ہنس
در مقامے خاک بجائے کمیہ
در مقامے ظلم بجائے محض عدل
گرچہ او آنجا گزند جان بود
آب در غورہ ترش باشد ویکہ
باز در چشم او شود تلخ و حرام

ہر ائمہ ان تمام دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ دو وجود ہیں ہو سکے جو یکہ موجود ہے عین وہی ہے۔۔۔۔۔

سوال دوم۔ باعتبار تکلیف حق لامکان ہے اور جسم نہیں رکھتا۔ اور عالم کو ہم کہتے ہیں کہ مکان ہر مکان جسم جسم ہے۔ تو یہ بات کس طرح درست ہے

۱۲۱
لے بہشت کے معنی میں کہیں کہیں رزاق کے معنی رزاق و فیہ السلام مرزوق کے معنی رزاق پائے والا السلام نور و حور و اموات و انکسور یا خرا

اور اگر یہ دونوں ہیں ہیں۔ تو مقرر ہوا کہ حد امعدوم ہے اور حکم حد امعدوم ہے اور
 تم اسکو نہیں جانتی تو اسکی مدگی کا کرنا بالکل خالص ہے۔ محض اسی حد کے مشیے پر کرنا
 اسکو نہیں مانتے کہ وہ خود کیا ہے اسکا کہاں ہے اور تمہارے سر دیکھ نہیں۔ اور
 اگر یہ کہا جاوے کہ اُس کا عالم بارے سر دیکھ ہے اور قدرت اسکی ہکودیکھتی ہے
 تو لازم آتا کہ اگر وہ ہمیشہ سر سمیع بصیر قدیر اور مرتب ہے تو اسکی ذات یہی ہے کیونکہ
 صفات نے اسکا حال ہے پس اگر اشات ذات ہو گیا تو یہ وہی صحت مذکورہ
 مالا میاں آتی ہے کہ اگر اشات ذات ہو گیا تو اشات جگہ کی کیفیت ضرور یہی ہے
 مکاں حق مثلا ماچا ہو و اللہ تعالیٰ ذات ہر دم ہے کہ جب ذات یعنی ہولی صفات معلوم
 ہوئیں۔ پس اسے عربیہ اسوس ایسی شخص کے نام لیے سے کہ نہ کیفیت اسکی
 معلوم ہے۔ مکاں اسکا۔ ذات اسکی کہ ظان حکم ہے اور قول مرتضیٰ علی کرم اللہ
 وجہہ کے۔ کہ اگر خدا تعالیٰ کو۔ دیکھتا تو عبادت مکرنا کیا مسمیٰ ہیں۔ اگر یہوں نے حال
 کو نہیں دیکھا تو یہ بہر کس طرح کہا۔ اور اگر دیکھا تو لازم ہوا کہ مکاں میں دیکھا اور کیفیت
 دیکھا۔ وگرنہ دیکھا محال ہے۔ اور سچ خدا تعالیٰ ایک راعی میں اس مصلو کو
 ظاہر کرتے ہیں راعی ماحق۔ و دیشم سر۔ میم ہر دم + اریائی طلب یعنی تسلیم ہر دم
 گوید خدا بخشم سر تو اں دید + اں الیاسد میں میم ہر دم + اور محرم صادق صلعم
 نے بھی فرمایا ہے کہ مدگی کو رب کی گویا کہ تو اسکو دیکھ رہا ہے۔ پس تصور کرنا محال
 سے جب تک کہ کسی شے کو دیکھا ہو۔ اور تصور ایسی شخص کا عرش سے عرش تک
 اس میاں مقرر میں اسکی ذات ہووے اور اسکے علاوہ یہی نہیں معلوم کہ کہاں ہے
 اور کس کیفیت سے ہے کس طور ہو سکتا ہے کہ میں اسکو دیکھتا ہوں یا وہ مجھ کو
 دیکھتا ہے اور قدس آن شریف میں آیا ہے فایما لوقو و حی بکھ شروحه اللہ
 یعنی سرف کہ تم اپنا ج کو اس طرف رو کر خدا ہے۔ اس صورت میں وہ ملاقات

یا نہیں۔ اگر مخلوق ہے تو پہر متصل ہے۔ اور اگر مخلوق نہیں تو قدیم ہے۔ اور جب قدیم ہے تو ایک ہے یا دو۔ اگر ایک ہے تو پہر متصل ہے۔ اور دو ہیں تو دو قدیم محال ہیں۔ ہر آئینہ لازم ہوا کہ حد فاصل نہیں ہے۔ اگر ماتحت و فوق و بین و یار بیک بجانب و رقعہ ہو تو جانب دیگر کیا ہے۔ اگر جانب دیگر مخلوق ہے تو پہر متصل عالم ہوا۔ اور اگر تحت و فوق و بین و یار میں اسکے ہے تو پہر وہی قاعدہ بالا صادق آتا ہے کہ عالم عین حق ہے اور یہ محال ہے کہ حق تحت و فوق کسی چیز کے ہووے اور اگر ہووے تو بس فہو المراد کہ مقصد میرا ہی ہے۔ کیونکہ اگر حق تحت و فوق و بین و یار عالم سے تو عالم ذات حق میں ہے۔ ہر آئینہ اس سے لازم آتا ہے کہ اشیا عین حق میں۔ اور اگر یہ گہو کہ حق ایسی جگہ ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ وہ کہاں ہے اور ہماری عقل وہاں تک نہیں پہنچتی۔ بقول جامی علیہ الرحمۃ بیت جہاں تک ہوا ندیشہ دل بلند نہ رہے فکر سے سود کا پائے بند خرد کو کہاں دست قدرت بہلا دیتے۔ کفہ کو جو وہ پہنچے دزا دیتا در ہے وہ حضرت تنگ بار نہ کرے پیک اور اک کو سنگار نہ پس اسکے مکان ہے مگر تم نہیں جانتے۔ پہر وہی بحث اول لازم آتی ہے کہ مکان عین ہی با غیر۔ غیر ہو نہیں ہو سکتا۔ اگر عین ہی تو پہر سب حق ہے۔ اور اگر یہ کہو کہ حق مکان نہیں کہتا ہے۔ اور کسی جگہ نہیں ہی اور میں ہی نہیں جانتا ہوں و لیکن سنا ہے کہ خدا ہے اور مقررہ جگہ میں نہیں ہے۔ پس جو چیز کہ کسی جگہ نہ ہووے معلوم ہے اور یہی صفت عدم کی ہے کہ کسی جگہ نہیں ہے اور لاشے ہے کسوا سطلی کہ اگر حق شے ہے تو واسطے مکان لازم آتا ہے بالفرض و التقدير اگر حق کو شے تصور کریں تو بتاؤ کہ شے حق شے عالم سے بزرگ ہے یا خورد۔ اگر بزرگ ہے تو عالم میں نہیں سما سکتی بلکہ عالم اسکی درمیان میں ہو گا۔ اور اگر شے حق خورد ہے تو لازم آتا ہے کہ درمیان عالم کے ہووے۔ کیونکہ چوٹی چیز بڑی چیز کو احاطہ نہیں کر سکتی بلکہ اسکے درمیان میں ہوتی ہے۔

یہ کہا جاوے کہ خدا خارج عالم ہے تو یہ سہی محال ہے کہ حق خارج عالم بھی ہو اور
داخل عالم بھی کیونکہ اگر خدا کو خارج عالم فرض کیا جاوے تو خدا یا تو فوق عالم ہے یا تحت
یا میں یا بیار۔ تو اس سے حق کا متصل عالم اور داخل عالم سو نامات ہوتا ہے۔
اگر حق متصل ہے داخل بھی ہے۔ کیونکہ اگر یہ کہا جاوے کہ حق فوق لٹھ عرش ہے تو اس کے
واستے مکاں اور حدود لازم آتا ہے اور یہ خلاف اعتقاد نکلیں ہے۔ پس اس سے
معلوم ہوا کہ حق فوق عرش نہیں ہے علی القیاس تحت عرش بھی نہیں ہو سکتا۔
اور اگر یہ کہا جائے کہ حق فوق و تحت میں ویسا عالم کو احاطہ کئی ہوئی ہے۔ تو اس سے
لازم آتا ہے کہ تمام عالم درمیاں حق ہے۔ اور جو جسد کہ کسی حیر میں داخل ہوتی ہے
وہ اس کا رد ہوتی ہے۔ اور جو غیر کل نہیں ہو مالک عین کل ہوتا ہے پس نامت ہوا کہ
کہ عالم عین حق ہے اور یہ خلاف اعتقاد ہے۔ اور یہ اگر کہا جاوے کہ حق فوق تخت
پہیں ویسا عالم تو نہیں ہے بلکہ خارج ہے اور لعید ہے اور عالم و حق کے درمیاں
بشراف فرق ہے تو اس سے لازم ہوتا ہے کہ مقابل عالم ہے اور یہ سہی محال ہے۔ کیونکہ
حق کسی حیر کے مقابل نہیں ہو سکتا۔ اور اگر بالعرض مقابل ہے۔ تو اس حیر کے لئے
مکاں ہے یا نہیں۔ اگر مکاں ہے تو وہ مکاں عین کسی شے کا ہے یا غیر اس کا۔ اگر وہ
مکاں بائیں کا غیر ہے۔ تو لازم آتا ہے کہ غیر خدا خدا سے قوی ہے کہ اس کے لئے مکاں ہے
جیسا حیر میں سال سے کہ مکس میں ہے زیادہ تر حکم ہے اور تمام موالید سے زیادہ قوی
ہے کہ سب اس کے اوپر قرار پکڑے ہوئے ہیں۔ پس لازم ہوا کہ غیر حق زیادہ قوی
ہے اور میر اس کے لئے مکاں درکار ہے علی ہذا القیاس اور اس سے تسلسل لازم آتا
ہے اور یہ باطل ہے اور اگر وہ مکاں اس کا میں ہے تو لازم ہوا کہ مکاں میں رکھتا
اور وہ خدا حاصل کیا ہے کہ حق حق خارج عالم اور دور تر ہے۔ اور وہ حد عین اس کی
ہے یا غیر۔ اگر عین اس کی ہے تو حق بہر متصل عالم ہوا۔ اور اگر غیر اس کی ہے۔ تو مخلوق ہے

اس طرح مخلوق ظہر میں غیر خالق ہے لیکن وجود میں عین خالق ہے بیت

اس میں ہے جلوہ اسیکا بے گمان
انصورت آنکس سبکی نقش ما آراست
موجش خواند و در حقیقت دریاست

صفحہ گیتی پہ ہے جو شے عیان
ہر نقش کہ بر صحیفہ گیتی پیدا است
دریاے کہن چو میسر زندہ موجے نو

بجز نقطہ وحدت کے کچھ موجود نہیں ہے۔ بسبب سرعت سیر کے وہی نقطہ دائرہ
وہی دکھائی دیتا ہے۔ یہ کثرت نمود ہے بود ہے۔ اَلْعِلْمُ لِنَقْطَةٍ وَاحِدَةٍ۔ علم نقطہ
واحد ہے موجودین آخرت اور قیامت کو یہی برحق جانتے ہیں مگر بعض دیگر حشر اجساد
اور متعلقات قیامت اور انبیاء علم السلام کو برحق جانتے ہیں مگر حق جانتی ہیں
اول کو خاتم الرسل کہتے ہیں لیکن عین حق کہتے ہیں۔ اور باوجود اس تمام کثرت کے ایک
وجود کے قائل ہیں۔ اور خلق اور خالق کو ایک سمجھتی ہیں یہ تمام اعتقاد ہی موجود ہیں اور
صوفیوں کا یہ چند سوال معہ جواب کے واسطے انکشاف حقیقت وجود کی ہیں۔ سوال
اول اسکی کیا دلیل ہے کہ وجود صرف ایک ہے اور جو کچھ ہے وہ عین حق ہے۔

کیونکہ عند المتکلمین خدا قدیم ہے اور عالم جدید ہے جب کہا جاوے کہ وجود ایک ہے
تو لازم آتا ہے کہ عالم ہی قدیم ہے پس خلق اور خالق ایک ہے اور یہ اُنکے نزدیک
باطل ہے جو اب اگر وہ وجود ہوتے تو لازم آتا کہ خدا یا تو داخل عالم ہوتا یا خارج
یا متصل یا مقابل۔ اگر یہ کہا جاوے کہ داخل عالم ہے۔ تو بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ خدا
قدیم ہے اور عالم حادث۔ قدیم حادث میں نہیں داخل ہو سکتا اور یہ حلول باطل ہے
پس حق داخل عالم نہیں۔ کیونکہ اگر داخل عالم فرض کیا جائے تو اسکے لئے مکان اور لفظ
قدیم یا رفع حادث ضروری ہے۔ یعنی یا تو تمام عالم قدیم ہے یا حق حادث ہے۔ پس
عندش سے شری تک خدا العالیٰ کسنگہ داخل نہیں اگر ہوتا تو اس کے واسطے
یعنی مکان ضرور تھا اور یہ موافق اعتقاد متکلمین کہ لا مکان ہے باطل ہے اور اگر

بے حجابی اس کے اندر ہے

بے حجابی اس کے اندر ہے

اعتقاد اتہار کہتے ہیں۔ یہ سب فنا ہو جائیگے اور قیرون سے مراد ہے جی اوٹھیں گے اور خدا تعالیٰ
 سے حساب لینگے۔ لیکن کون کونست میں اور مدول کو دوج میں ڈالینگا ایسا کلام قیامت ہے
 اور اہل شیعہ کا اعتقاد ہے کہ ملکیت میں دالسن مخلوق خدا میں اور اسکی مددگی کرتے ہیں اور
 دتا میں خدا تعالیٰ نے یہ عیسوی بھی میں یا اور انہر گناہیں نازل کیں ہیں جس سے ہر ایک ایسی امت
 کو ہدایت کرنا رہا یہ تمام اصول و اعتقاد اہل شیعہ کہتے ہیں اگر یہ تفصیل تمام مابین گناہانے
 ایک اور رسالہ تیار ہو جائے لہذا اعتقاد کیا۔ ہر ایک حکما کے بھی دو دوج میں ایک
 واحد و محکم و واحد ہے کیا یہ قیام میں دوسرے کا متعلق ہو اور ممکن وہ ہے
 کہ اپنے قیام میں دوسرے کا متعلق ہو دے۔ جیسی مخلوق۔ مگر جانتا یا نہیں کہ ہر ایک حکما کے متعلق
 عادت ہیں ہے بلکہ قدیم ہے۔ پس مطابق اعتقاد حکما کے ممکن مثل واحد کے قدیم
 ہے۔ اور ایک دوسری سے مراد اور آفات کے خدا ہیں میں پس صورت سے کہ واحد
 ہے ممکن ہی ہے دونوں مثل آفات اور اوکے مینا کے قدیم میں۔ ہرگز خدا ہیں۔
 ہر واحد نے لئے ضرور ہے کہ خلق ہیئت اوکے ساتھ ہو۔ کسی ایسا نہیں ہو کہ حق
 نے خالق پر ہی ہو مگر احرا حسا اور مانے عالم سے مسکریں آئندہ آسمانوں کو آئندہ
 حمت اور عرض اوکے ہیئت اور ساتھ رہوں کو ہیئت انہم اور ان رہیوں کو کہ عالم
 علی میں دوج کہتے ہیں۔ مسکرتوں اور مہولوں اور رسولوں سے مسکریں حکما کا اعتقاد
 ہے کہ آئندہ مریاں ناقص میں ہو گونگی کچھ حاجت ہیں ملا الکی رسید کے خدا تک مائی
 ممکن ہے۔ اعتقاد موجود ہے کہ وہ واحد ایک ہے اور قدیم ہے لیکن ظہرات اس کے
 کمزرت ہیں۔ وجود حاس کو لائق اور اوکے ظہور کو تعینات کہتے ہیں۔ اور یہ دوج
 مراد حرکت کے مدام سو حریں ہے۔ اور تعینات اس دریا کے موج و حباب میں۔ ہر جہد کہ
 موج و حباب مظہر ظہیر دریا میں لیکن ہر موج میں میں دریا میں ہیئت۔

ماہر دریا و دریا میں مابودہ و کے لاسے اور میان ما و دریا عامل سمت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اصل اوّل اثبات وحدت وجود اور لقی اثبتیت میں۔ سوال اوّل بیان حادث و قدیم میں دو کو یک بیان مکان اور لامکانین ستو یکم اس بیان میں کہ حق محسوس ہے یا غیر محسوس چہارم اس بیان میں کہ کس طرح خدایوں ہے اصل دوم کثرات دنیا کے رفع اور چند سوالوں کے جواب اور اثبات وحدت وجود بعبارت دیگر میں۔ سوال اوّل اضماد کیا ہے دوم موت و حیات کیا ہے سوم اعداد کثرت کیا ہے چہارم کیا سبب ہے کہ تمام بنی آدم خدا کو نہیں دیکھتے ہیں۔ اصل سوم رد کثرات و سوالات عقیدہ اور اثبات وحدت وجود میں سوال اوّل غیر کیا ہیں دوم قیامت اور حشر اعباد کیا ہے سوم دونخ و بہشت کیا ہے چہارم اختلاف مذاہب کیا ہے۔ خاتمہ حقیقت النان و ختم کتاب اور اسکی تاریخ و تعریف کے بیان میں اصل اوّل اثبات وحدت وجود اور لقی اثبتیت میں۔ مخفی نہ رہے کہ اہل شرع کے نزدیک دو وجود ہیں۔ قدیم اور حادث۔ قدیم جبکہ اوّل اور آخر نہ ہو۔ حادث جس میں ابتدا اور انتہا پائی جاوے۔ پس اہل شرع کے نزدیک خدا قدیم ہے اور خلق حادث۔ کیونکہ اسکی ابتدا و انتہا ہے۔ پس تحت الثریٰ سے عرش عظم تک حادث ہی اس درمیان میں کوئی چیز قدیم نہیں ہے۔ مگر عرش و کرسی و بہشت و عالم ارواح ابدی ہیں ایسی حادث ہوئے ہیں مگر ہمیشہ رہینگے انکی ابتدا ہے مگر انتہا نہیں اور آسمان اول سے تحت الثریٰ تک

لہذا

لہذا

لہذا

لہذا

کل عالموں نے حوادہ کسی مذہب اور ملت کے ہوں اسی رفیق کو مختلف کلمات
 میں بیان کیا ہے مگر ماہ قدیم میں لول خیال اور طرہ قریب ماں حال میں مختلف تھا
 اسی علم کے صحیفہ مشترک برماں سکرت یا یو جاتے من یکس او س علم کے جاہی
 والے اس وقت بہت کم ہیں۔ صحیفہ ہائی علم توحید کی انیسویں اور تشریح حوالہ
 وقت کے عالموں نے کی ہیں وہ بھی زیادہ تر برماں سکرت و عربی
 و فارسی ہیں۔ لیکن رمانہ کی رمانہ نے موجودہ رمانہ کے لوگوں کی لمبا لہجہ
 بہت کچھ انقلاب پیدا کر دیا ہے ایک رمور جو تعلق علم توحید اور اشراق
 ہیں اور کی سمجھ اس وقت بہت ہی کم رہ گئی ہے۔ آج کل کے رمانہ میں تحصیل علم
 سکرت اور عربی اور فارسی محدود ہو گئی ہے۔ رمانہ اور دو عام مہم ہونے
 سے زیادہ تر مروج ہے اور اس رمانہ میں ایسی صحیفہ جس میں اسرار
 اشراقی اور رمور بھی ملا کسی تعصب مذہبی مدرج ہوں بہت کمیا حال
 حال ملک خیال ہیں۔ اس لئے اس فقیر بھیجاں نے جو عوام سمجھیں لعل مختصر
 رجوشتر موسوم کرتے ہیں یہ صحیفہ اُمیہ حقیقت جو کتاب مرث الودعت کا
 ترجمہ ہے اور جس کے ہر لفظ میں لغتوف اور معرفت بہری ہوئی ہے
 تالیف کیا تاکہ صاحبان متوق اور طالبان صادق لعرص خود ساسی پڑھیں
 اور سرور دایگی حاصل کریں اس کتاب کے ترجمہ میں مولوی عبدالواحد
 صاحب ساکن شہر اعنے حوادہ دوی ہے اور سکا شکریہ احاطہ غریب سے ماہر ہے
 راقم یا رمال مہمیں لعل حلف مستی یہ ہو لعل کالیستہ ماہر سکھ کول جلع علیکدہ یکریڈی
 میو لیل پور شہر ہے۔

اسے محیط عالم آپ میدا و صفات اور ذات قدیم ہیں۔ آپ اس عالم کے اصلی مخزنا ہیں۔ ناظر متطور اور اعلیٰ مقام ہیں اور عالم میں محیط ہیں آپ کی ذات پاک اس جسم انسانی میں شاید۔ علیم۔ قادر مطلق ہے۔

دو عالم حسب نقش صورت و است	چہ جائے نقش صورت بلکہ خود اوست
رجد آئینہ یکدوئے مقابل	اگر چہ صد نماید لیک یک اورت

مضمون اس عالم کی خود بخود نبی ہے۔ اگر تصور اس کا فرض کیا جاوے دوئی لازم۔ عالم کا دل آئینہ حق کا ہے اور دل حق کا آئینہ عالم کا دل آئینہ عالم کا اور حق آئینہ دل کا ہے۔

منوہ عالم کی حق سے خود بخود ہوتی ہے۔ اور ظہور وجود عالم کا لازمی اور عادی اور طبیعی ہے۔ خالق اور مخلوق و نہیں۔

ذات میں محویت عشق حقیقی ہی عشق حقیقی ذریعہ وصل واجب الوجود ہے۔

آئینہ حقیقت کی روشنی میں صاف نظر آتا ہے کہ ذات یگانہ خود ناظر اور منظر و دیگر صفات کے پردہ میں عالم کی سیر دیکھ رہی ہے۔ فنی الحقیقت ایک قوت کل اجسام کے باطن میں محرک ہے اور سبکی کشش سے کل حرکات ظہور پاتی ہیں۔ یہ قوت

ذات واحد بے نام و نشان کا جلوہ ہے اور وہ ذات پاک و سبب نور میں محیط ہے علم توحید کو سب ندیب والوں نے افضل العلوم مانا ہے یہ علم سینہ لبدینہ منتقل ہوتا چلا

آیا ہے۔ اس بزرگوار دل ہی سمجھ سکے ہیں عقل من و لوا و سبکی لے سبب و قہار ہے ہم عارفان ہی حق تک پہنچتی ہے علم عارفانہ علم ذات ہے اور اون کا کلام ہے

کلام حق ہے کلام ربانی ہے وہی موسوم ہے اوسے میں قلت الفاظ اور کثرت معنی ہوتے ہیں وہ کلام قوت ادراک سے بڑا اور افزون ہے موحیہ و سبکی حقیقت

غلب میں مشاہدہ کرتا ہے صفت بطور استعارہ اس کو بیان کر سکتا ہے۔

[۵۲]

Q7

168 [A]

208507

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اوم تکت کت

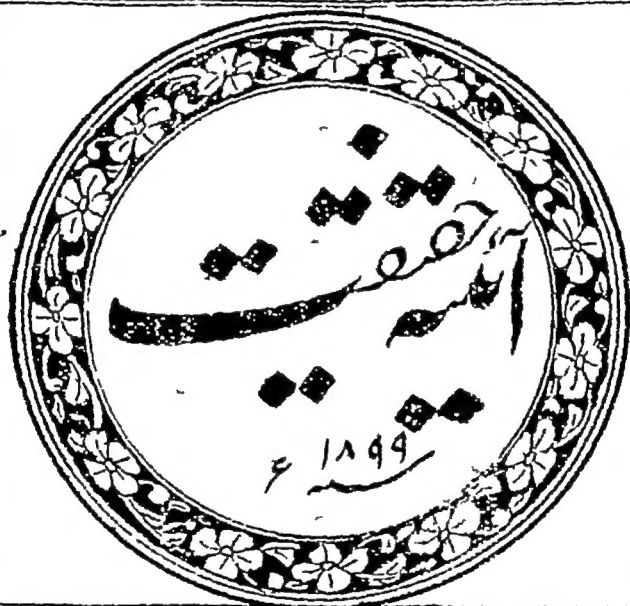
دیبا حیار مولف

اسے ربیعہ اشکار و ارحمد بیان
اندرون محبت مادہ ام ایوان بیاندر عین عیاں محیی و در حیدر عیاں
ہم آتی و ہم ایسی۔ این وہ آن

سجدہ اور تعلیم اور سکودا حب ہے جو کہ زمین اور آسمان اور دونوں کے
 درمیان اشکار اور کل موجودات میں محبت اور جد و جلا کا صالح۔ عین الہی
 ہے اپنا اور افس کل جسم کل۔ عقل کل اور نقیات سے مرہ ہے۔
 اسکی ماہیت کے ادراک سے جو اس ظاہر ہی اور باطنی معترف قیود پر
 وہ حق ہے ہستی محبت ہے۔ ہر مکان میں ساکن کوئی مقام بہر عیاں
 وہ بہین۔ بحسبہ لامکان ہے۔ تمام موجودات کی۔ روح کائنات کی
 عاں اور حیات ہے۔ مثل دریا کے واحد ہے اور اقسام موجودات
 مثل امواج دریا اس میں کثرت ہے۔

ومن يتوكل على الله فهو حسبه

حساب ايمان در شد كمال حقيقت اگاه بيري پر هم بهش سواي گيا نام
سر مستي نسخه علم تو حيد موسوم به



من تاليف منشي من موهين لعل صاحب تخلص نوشتن سكرتري
مينو خليل بور دستر اخلف منشي پر بهو لعل صاحب رئيس عليگده

در طبع منبع العلوم پرستش

DATE LABEL (C.P.)

16-E(A)

*Date of Release
for loan*

[illegible]

